بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانی ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

محسن ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکر اسلام امام احمد رضا محدث حنفی کے اصلاح و تحقیق کے افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 30 شمارہ: 11

نومبر ۲۰۱۰ء / ذیقعد ۱۴۳۱ھ

حسنِ ترتیب

آفس سیکریٹری / پروف ریڈر: ندیم احمد ندیم قادری نورانی
اکاؤنٹس / شعبۂ سرکولیشن: محمد شاہ نواز قادری
کمپیوٹر سیکشن: مبشر خاں

ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: -/300 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابل قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

معروضہ ۱۲۹۶ھ بعد واپسی زیارتِ مطہرہ بارِ اوّل

امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت پروانۂ شمع رسالت امام الشاہ

احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خراب حال کیا دل کو پُر ملال کیا
تمھارے کوچہ سے رخصت کیا نہال کیا

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

وہ دل کہ خوں شدہ ارماں تھے جس میں مل ڈالا
فغاں کہ گورِ شہیداں کو پائمال کیا

یہ رائے کیا تھی وہاں سے پلٹنے کی، اے نفس
ستم گر الٹی چھری سے ہمیں حلال کیا

یہ کب کی مجھ سے عداوت تھی تجھ کو، اے ظالم!
چھڑا کے سنگِ در پاک سر و بال کیا

چمن سے پھینک دیا آشیانۂ بلبل
اُجاڑا خانۂ بے کس بڑا کمال کیا

ترا ستم زدہ آنکھوں نے کیا بگاڑا تھا
یہ کیا سمائی کہ دور ان سے وہ جمال کیا

حضور اُن کے خیالِ وطن مٹانا تھا
ہم آپ مٹ گئے اچھا فراغ بال کیا

نہ گھر کا رکھا نہ اس در کا ہائے ناکامی
ہماری بے بسی پر بھی نہ کچھ خیال کیا

جو دل نے مر کے جلایا تھا منتوں کا چراغ
ستم کہ عرض رہِ صرصرِ زوال کیا

مدینہ چھوڑ کے ویرانہ ہند کا چھایا
یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا

تو جس کے واسطے چھوڑ آیا طیبہ سا محبوب
بتا تو اس ستم آرا نے کیا نہال کیا

ابھی ابھی تو چمن میں تھے چہچہے ناگاہ
یہ درد کیسا اُٹھا جس نے جی نڈھال کیا

الٰہی سن لے رضاؔ جیتے جی کہ مولیٰ نے
سگانِ کوچہ میں چہرہ مرا بحال کیا

دنیاے علم کا سر اونچا کیا رضا نے

منقبت بحضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ

کلام: ندیم احمد ندیمؔ قادری نورانی

دنیاے عِلم کا سر اونچا کیا رضا نے
ہر فن میں اپنا لوہا منوا لیا رضا نے

قرآن سے رضا نے سیکھی ہے نعت گوئی
یہ راز خود ہی سب کو بتلا دیا رضا نے

بغداد، مکہ، بطحا، اجمیر اور بخارا
بھر بھر کے جامِ عرفاں ہر جا پیا رضا نے

عشقِ نبی رواں تھا نس نس میں خون بن کے
معراجِ عشق کیا ہے سمجھا دیا رضا نے

بدعت کے پر جَلا کر اور سنّتیں جِلا کر
تجدید کا تقاضا[1] پورا کیا رضا نے

بیداری میں ہوا تھا دیدار مصطفیٰ کا
یہ خاص قربِ احمد بھی پا لیا رضا نے

تحریر میں نرالے، انمول رنگ بھر کے
قوسِ قزح کو اپنا شیدا کیا رضا نے

پھولوں سے کوئی کہہ دے تربت رضا کی چومیں
رنگِ بہار لے لیں، پھیلا دیا رضا نے

تیروں سے ظالموں نے چھلنی ہی کر دیا تھا
ایسے میں زخم میرے دل کا سیا رضا نے

کل حشر میں کہوں گا پی کر میں آبِ شیریں
آقا سے جامِ کوثر پلوا دیا رضا نے

میں ہوں ندیمؔ اُن کا ادنیٰ غلام جن کو[2]
فیضانِ مصطفیٰ سے حِصّا[3] دیا رضا نے

[1] یہاں بہ طورِ مثال صرف دو شرائط کا ذکر کیا گیا ہے؛ ورنہ تجدیدِ دین کی اور بھی شرائط ہیں اور اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت علیہ الرحمۃ میں تمام ہی شرائط بہ درجۂ اتم موجود تھیں۔

[2] یہاں اعلیٰ حضرت کے تمام فیض یافتگان خلفا، صاحبزادگان وغیرھم بالخصوص میرے پیرومرشد قائدِ ملّتِ اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے والدِ ماجد و پیرومرشد مبلغِ اعظم حضرت علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی اور مبلغِ اعظم کے بڑے بھائی اور پیرومرشد حضرت علامہ احمد مختار صدیقی (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) مراد ہیں۔ یہ دونوں بھائی اعلیٰ حضرت (علیھم الرحمۃ) کے جلیل القدر خلفا میں شمار ہوتے ہیں۔

[3] جن قافیے کے آخر میں الف ہو اُن کے ساتھ اس طرح کے قافیے لانا بھی جائز ہے کہ جن کا آخری حرف ہاے مختفی ہو، لیکن قافیے کی رعایت کی وجہ سے ہاے مختفی کو الف سے بدل دیا جاتا ہے۔ اسی لیے یہاں ''حِصّہ'' کو ''حِصّا'' لکھا گیا ہے۔ تفصیل اور مثالوں کے لیے ''اردو املا'' از رشید حسن خاں اور ''بحر الفصاحت'' از مولوی نجم الغنی رامپوری مطبوعہ مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، حصّۂ سوم کے صفحات ۴۳۸ تا ۴۴۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

علمائے اہلِ سنّت کی عالمگیر پزیرائی

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ عزوجل نے عالم اور جاہل کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹ (الزمر)

ترجمہ کنزالایمان: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان "نصیحت تو وہی مانتے ہیں۔" جو عقل والے ہیں اللہ عزوجل نے مختلف استعاروں سے علم جاننے والے اور جاہل کا یوں بھی موازنہ کیا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ ۔۔۔ ۝۱۶ (الرعد)

ترجمہ کنزالایمان: "تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے اندھا اور انکھیارا یا برابر ہو جائیں گی اندھیریاں اور اجالا۔۔۔" اس مضمون کو سورہ فاطر میں مزید چند امثال کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ ۝۱۹ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۙ ۝۲۰ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۚ ۝۲۱ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ ۔۔۔ ۝۲۲ (فاطر)

ترجمہ کنزالایمان: "اور برابر نہیں اندھا اور انکھیارا، اور نہ اندھیریاں اور اجالا؛ اور نہ سایہ اور تیز دھوپ؛ اور برابر نہیں زندے اور مردے۔"

اس حقیقت میں کوئی دو رائے نہیں کہ دنیا میں اگر کسی انسان کو دوسرے انسان پر فضیلت ہو سکتی ہے تو وہ علم ہے جو عالم کو جاہل سے بلند کرتا ہے اور اس دنیا کی ہر ترقی کا دار و مدار اس علم کے جاننے کی بنا پر ہی ہے۔ اللہ عزوجل نے بھی انسانوں کو آپس میں اگر ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو وہ علم ہی کی بنیاد پر کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے انسان کو فرشتوں کے سامنے سرخرو فرمایا اور تمام فرشتوں کو اکٹھا کر کے فرمایا:

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ (البقرہ)

ترجمہ کنزالایمان: "پھر سب اشیا ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔"

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کم علمی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ ۔۔۔ ۝۳۲ (البقرہ)

ترجمہ کنزالایمان: "بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔"۔۔۔۔۔

یوں ان فرشتوں کے سامنے انسانِ خاص یعنی اول انسان الاوّل نبی سیدنا آدم علیہ اسلام کو پیش کیا اور فرمایا اے آدم تو ہمارے دیے ہوئے علم سے ان فرشتوں کے سامنے اپنے علم کا اظہار فرما۔ چنانچہ سیدنا آدم علیہ اسلام نے بیان کرنا شروع کیا جس کو قرآن نے یوں ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ ۔۔۔۔۔ ۝۳۳ (البقرہ)

ترجمہ کنزالایمان: "فرمایا اے آدم بتادے انھیں سب اشیا کے نام؛ جب آدم نے انھیں سب کے نام بتادیے۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کی تعظیم کا حکم دیتے ہوئے سجدہ کا حکم دیا اور یوں علم کی فضیلت کا چرچا ہوا اور ہمیشہ کے لیے ایک عالم کو کم علم والے پر فضیلت

حاصل ہوئی۔ چنانچہ ایک صوفی نے اس کو یوں بیان کیا:

فرمانِ خدا ہے یہ انسان اگر چاہے
تو علم سے پہنچے گا خود درجۂ اعلا تک
(صوفی سائیں عبدالغنی قادری نیضان قادری)

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان علم کی بنیاد پر انسانوں میں امتیاز حاصل کرتا ہے مگر اللہ عزوجل کے قرب کے لیے علم کے ساتھ عمل نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ جو علم کے زیور سے آراستہ ہو اور صاحب ایمان بھی ہو اور صاحب تقویٰ بھی ہو تو وہ انسانوں میں اللہ کے نزدیک اعلیٰ قرار پاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد قرآن ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ------ (الحجرات)

ترجمہ کنزالایمان: "بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔"

قارئینِ کرام! اس ساری تمہید کا مقصد صرف یہ تھا کہ قاری کے ذہن میں یہ سب باتیں تازہ کر دی جائیں کہ دنیا میں ہر زمانے میں کروڑوں اربوں کی تعداد میں لوگ زندگی گزارتے ہیں، ان کروڑوں اربوں میں سے چند لاکھ نفوس ایسے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو علم یا ہنر یا کسی اور وجہ شہرت کی وجہ سے جانتے ہیں۔ انسان کو شہرت اچھے کاموں کی وجہ سے بھی ملتی ہے اور برے شیطانی کاموں کی وجہ سے بھی۔ مثلاً ابوجہل اور ابولہب اور ان جیسوں کو بھی شہرت حاصل ہے مگر بغض رسول اور اسلام دشمنی کے باعث، یا یزید کو بھی شہرت حاصل ہے مگر بغض اہلِ بیت کے باعث۔ دور حاضر میں کاذب اعظم یعنی قادیانی کو بھی شہرت حاصل ہے مگر انکارِ ختم نبوت کے باعث مگر دنیا میں اچھے کاموں کے باعث شہرت حاصل کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔ پچھلی صدی میں اسلام کی خدمت کے حوالے سے ایک بہت بڑا نام جو برصغیر پاک و ہند میں نمایاں طور پر سامنے آیا جس نے علوم دنیاوی اور علوم دینی دونوں میں برابر شہرت حاصل کی وہ ہے امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی ذات جن کا ۲۸، اکتوبر ۱۹۲۱ء کو وصال ہوا۔

امام احمد رضا کا تقویٰ اعلیٰ مقام رکھتا تھا مگر ان کو تمام ظاہری علوم میں بھی ایسی دسترس حاصل تھی کہ عرب و عجم کے علما نے نہ صرف آپ کو مجددِ دین وملت تسلیم کیا بلکہ ہر ہر علم و فن میں آپ کو اعلیٰ قرار دیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ امام احمد رضا کے زمانے میں ہی دنیا میں لوگوں کو ان کی اعلیٰ ذہانت یا کاوش کی بنیاد پر نوبل انعام سے نوازا جاتا تھا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے مگر یہ نوبل پرائز اسلامی یا مذہبی اسکالر کو نہیں دیا جاتا، دیگر فنون وعلوم کے حوالے سے ہر سال ہر فن کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ نوبل انعام دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا البتہ پچھلے سالوں ہی میں ایک بنگلہ دیشی Economist کو اس کی معاشی صلاحیتوں کی بنا پر نوبل انعام سے نوازا گیا تھا مگر اہل علم سے پوچھیے کہ پچھلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے درمیان کون اس کا انعام کا مستحق تھا؟ تو آپ کو سابق وائس چانسلر علیگڑھ یونیورسٹی محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر سر ضیاالدین احمد اس بات کی تصدیق کرتے نظر آتے ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں ایک عالم دین بحیثیت ریاضی دان یا سائنسدان نوبل پرائز کا مستحق تھا۔ چنانچہ ان کی بات کو مفتی برہان الحق جبل پوری (المتوفّٰی ۱۹۸۴ء) یہ قول نقل کرتے ہیں:

"اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے (امام احمد رضا محدث بریلوی) سوا شاید ہی ہو۔ اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی، مذہبی اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ ریاضی اقلیدی، جبر ومقابلہ، توقیت، ہیت وغیرہ میں اتنی زبردست قابلیت اور مہارت حاصل ہے کہ میری عقل جس ریاضی کے مسئلے کو ہفتوں غور وفکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی حضرت نے چند منٹ میں (بغیر کسی کتابوں کی مدد کے) حل کر کے رکھ دیا۔ صحیح معنوں میں Noble Prize کی مستحق ہے۔"

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا اور عالم اسلام، ص، ۶۴)
(محمد برہان الحق جبلپوری اکرام امام احمد رضا، ص ۴ مطبوعہ لاہور)

قارئین کرام! دور حاضر میں امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی جیسا کثیر علوم جہتی شخصیت تو نظر نہیں آتی البتہ چیدہ چیدہ علوم میں مہارت والے آج بھی موجود ہیں۔ خود امام احمد رضا کے اپنے اخلاف میں آپ کے نبیرہ حضرت علامہ مولانا تاج الشریعۃ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری نوری بریلوی مدظلہ العالی ابن حضرت مولانا مفتی ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی المعروف جیلانی میاں رحمۃ اللہ علیہ (المتوفّٰی ۱۳۸۵ھ /۱۹۶۵ء) ابن حضرت علامہ مولانا حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں قادری رضوی بریلوی علیہ الرحمۃ (المتوفّٰی ۱۳۶۲ھ /۱۹۴۳ء) کی شخصیت آج علم فقہ کے اندر ایک مستند عالم اور مفتی کی حیثیت کی مالک ہے۔ آپ کو نہ صرف پاک وہند کے علمائے اہلِ سنّت میں ایک ممتاز اور مرکزی حیثیت حاصل ہے بلکہ عرب کے علما بھی آپ کے فقہ اور عربی ادب کے مدح ہیں۔ چنانچہ پچھلے سال مئی ۲۰۰۹ء میں جب آپ نے جامعہ الازہر کا دورہ کیا تو جامعہ الازہر کے صدر الشیخ احمد طیب نے ایک پروقار تقریب میں آپ کو آپ کی دینی خدمات کے اعتراف میں خصوصی ایوارڈ ''الدرالفخری'' فخرازہر Pride of Performance پیش کیا، جو کبائر علمی شخصیات ہی کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس ایوارڈ کی وجہ یہ بنی کہ شیخ الازہر علامہ سید محمد طنطاوی سے کئی گھنٹوں علمی گفتگو ہوئی اور شیخ الازہر جو اس ملاقات اور گفتگو سے قبل ۲ مسائل میں مختلف موقف لکھے تھے حضرت سے گفتگو اور دلائل کی روشنی میں حضرت کی بات یا موقف کو تسلیم کیا جو اہلِ سنّت کا قدیم موقف چلا آرہا ہے۔

(۱) حدیث ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم'' کو شیخ الازہر موضوع خیال فرماتے تھے لیکن حضرت سے گفتگوں کے بعد فرمایا یہ حدیث تلقی بالقبول سے مقبول ہوگئی اور موضوع نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد کا نام ''تارخ'' تھا آزر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا جو مشرک تھا۔ اس کو بھی شیخ الازہر نے حضرت سے دلائل کی روشنی میں قبول فرمایا۔

اس کے علاوہ شام، مصر، عراق، سعودی عرب، کویت، لیبیا کے متعدد علما و مشائخ آپ کے معتقد اور مداح ہیں اور سلاسل میں آپ کی اجازت و خلافت حاصل کی ہیں۔

امام احمد رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے اسی شہزادے یعنی تاج الشریعۃ کو حال ہی میں ایک اور بڑا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ اعزاز دی رایل اسلامک اسٹریٹیجک اسٹڈیز سینٹر (The Royal Islamic Strategic Studies Center) نے اپنی ۲۰۱۰ء کی کتاب دنیا کی ۵۰۰، اثر ورسوخ رکھنے والی مسلمان شخصیات (The 500 Most Influential Muslims 2010) کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں جو 2010ء ہی میں شائع ہوئی ہے اس کے اندر ابتدائی 50 افراد کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے جس میں علما، مشائخ، حکمران، مذہبی اسکالرز، سماجی کارکن، سائنسدان اور کئی شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں کو شامل کیا گیا ہے اور ایک سروے کے مطابق یہ معلومات حاصل کی گئیں ہیں کہ ان افراد کی اپنے اپنے حلقوں میں کیا حیثیت ہے اور ان کا کتنا اثر ورسوخ ہے۔

اس کتاب کے ایڈیٹر ڈاکٹر جوزف لمبارڈ Dr. Joseph Lumbard اور ڈاکٹر عارف علی نے امام احمد رضا کے لختِ جگر اور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفٰی رضا خاں قادری نوری بریلوی کے جانشین حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا قادری بریلوی الازہری کہ جنھوں نے ۱۹۶۶ء میں جامعہ الازہر سے فراغت بھی حاصل کی تھی ان کو پہلی مرتبہ دنیا کی 50 مسلم اہم شخصیات میں اثر ورسوخ رکھنے کے اعتبار سے دنیا کی 26ویں شخصیت قرار دیا گیا۔ اس اعتبار سے امام احمد رضا کے نبیرہ حضرت اختر رضا خاں

بریلوی مدظلہ العالی کے لیے ہی نہیں بلکہ علماو مشائخ اہلسنت کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ دنیا کے کثیر عوام اہلسنت آج بھی امام اہلسنت ہی کو اپنا پیشوا اور بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ اب ایک نظر حضرت اختر رضا بریلوی کے متعلق اس کتاب سے ملاحظہ کریں جس میں آپ کو رینکنگ کے اعتبار سے 26واں نمبر دیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس سے کئی زیادہ اہم مقام ہو گا اب ملاحظہ کریں ان اقتسابات کا ترجمہ:

"مفتی محمد اختر رضا خاں قادری الازہری بریلوی ایک مذہبی اور روحانی رہنما ہیں آپ کا تعلق انڈیا سے ہے جہاں آپ کی پیدائش ۲۳ نومبر ۱۹۴۳ء کو ہوئی۔

مفتی اختر رضا خاں بریلوی انڈیا بریلی کے مذہبی رہنما ہیں اور اپنے جد امجد کے پیروکار ہیں اور اپنے جد اعلیٰ مفتی احمد رضا خاں کے پیروکاروں میں اسی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ احمد رضا کے پر پوتے ہیں جن کا وصال 1921ء میں ہوا جنھوں نے بریلی میں رہتے ہوئے ساؤتھ ایشیا کے اندر اسلام کی تبلیغ فرمائی۔

مفتی اختر رضا نے 20 سال کی عمر میں اپنے نانا مفتی مصطفیٰ رضا خاں بریلوی سے اجازت و خلافت حاصل کی اور یہ اجازت سلسلہ قادریہ، برکاتیہ اور نوریہ میں عطا فرمائی۔ آپ کو 2006ء میں مسلمانوں کے چیف جسٹس کی حیثیت بھی حاصل ہوئی۔

مفتی اختر رضا انگریزی زبان کے فتاویٰ Azharul Fatawa's کے دفاتر سے پہچانے جاتے ہیں اگرچہ آپ نے 17 سال کی عمر سے فتوے دینا شروع کر دیے تھے اور اب تک آپ 500 سے زیادہ فتاویٰ جاری کر چکے ہیں۔" اس کا انگریزی متن بھی ملاحظہ کیجیے جو اس اداریے کے آخر میں نقل کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی اختر رضا بریلوی الازہری مدظلہ العالیٰ کے علاوہ ابتدائی 50 افراد میں کوئی اور عالم برصغیر پاک و ہند سے شامل نہیں ہے۔ البتہ دنیا کے مختلف ممالک میں متعدد صوفیاے کرام کے سلسلے کے صوفی حضرات بھی شامل ہیں جن میں چند نام ملاحظہ کریں:

شیخ الحبیب عمر بن حافظ الیمنی (یمن) شیخ ناظم عادل القبرصی لحقانی نقشبندی اور شیخ ڈاکٹر احمد محمد الطیب امام کبیر الازہر جامع مسجد جنھوں نے مفتی اختر رضا کو ایک تقریب میں فخر الازہر کا خطاب بھی دیا تھا۔

اس کے علاوہ 450 افراد کی اور لسٹ بھی اس کتاب میں موجود ہے مگر ان 450 افراد کی Ranking نہیں کی گئی ہے۔ مگر یہ حضرات اپنے اپنے حلقوں میں بہت بااثر ہیں ان میں ایک اور روحانی شخصیت حضرت امین ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد امین میاں برکاتی مدظلہ العالی کی ہے۔ اس کتاب میں قبلہ امین میاں برکاتی کے متعلق جو اختصار کے ساتھ اقتباس تحریر ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

"پروفیسر سید امین میاں قادری انڈیا میں بریلویوں کے رہنما اور برکاتی شاخ کے سجادہ نشین ہیں جو کہ اصل میں سلسلہ قادریہ کی انڈیا میں شاخ ہے جس کا تعلق شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ سے ہے۔ آپ علیگڑھ یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر بھی ہیں۔"

حضرت امین ملت کو اسی کتاب کے 2009ء کے ایڈیشن میں 46 واں نمبر حاصل تھا مگر اب 50 میں تو شامل نہیں مگر 450 افراد کی لسٹ میں ضرور شامل ہیں۔

اس کتاب میں کئی پاکستانیوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اہلسنت و جماعت کے کئی علما اور مشائخ کا اس میں نام شامل کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت علامہ مولانا محمد الیاس قادری عطار جن کا تعارف کراتے ہوئے کتاب کا مؤلف لکھتا ہے:

"شیخ محمد الیاس عطار قادری سلسلہ قادریہ رضویہ عطاریہ کے روحانی لیڈر ہیں جو سلسلہ قادریہ کی ایک برانچ ہے۔ آپ دعوت اسلامی کے بانی ہیں جو کہ سنی بریلوی مسلک سے متعلق تحریک ہے اور اس تحریک کے ذریعے وہ

اسلام کی تعلیمات کو دنیا میں متعارف کروا رہے ہیں۔ حضرت الیاس قادری کو دنیا بھر میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور وسیع تعداد میں دنیا بھر کے لوگ آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔"

اس کے علاوہ علامہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کو بھی ان 450افراد کی لسٹ میں شامل کیا گیا ہے ان کی وجہ شہرت Q Tv کے اندر ان کی تقاریر اور ان کے 6000 سے زیادہ لیکچرز اور سینکڑوں کتابوں کے مصنف اور ادارہ منہاج القرآن کی دنیا میں متعدد شاخوں کے ذریعے فروغ اسلام کو اہمیت دی گئی۔

اس کتاب کو www.rissc.jo پر سرچ کیا جاسکتا ہے کتاب کا ISBN نمبر ہے 2-32-428-9975-978۔

قارئینِ کرام: آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں آپ کو محسوس ہو گا کہ آج بھی دنیا میں اگر لوگوں کے دلوں تک کوئی پہنچ پاتا ہے تو وہ وقت کا صوفی ہی ہوتا ہے۔ ان 5000 افراد میں آپ کو علما کے بجائے صوفی ہی نظر آئیں گے۔ چاہے وہ عرب کے ہوں یا عجم کے جو اس بات کی غمازی بھی کرتی ہے کہ اسلام کو آج بھی فروغ صوفی حضرات ہی سے حاصل ہو رہا ہے۔ بے شک علما اپنا کردار بھی ادا کررہے ہیں اور کرتے رہتے ہیں مگر دلوں تک رسائی صوفی حضرات ہی حاصل کرتے ہیں اور جب تک آپ لوگوں کے دلوں تک رسائی حاصل نہ کریں گے اس وقت تک آپ ان کے دل نہیں جیت سکتے اور جب دل جیت لیتے ہیں تو وہ دل سے آپ کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام صوفیائے کرام کو جو آج بھی دنیا کے مختلف خطوں میں دین کی اشاعت میں مصروفِ عمل ہیں سب کو صحت وعافیت کے ساتھ طویل عمریں عطا فرمائے تا کہ زیادہ سے زیادہ دلوں تک ان کی رسائی ہو سکے۔ آمین۔

قارئینِ کرام! دنیا کی 50 انتہائی بااثر روحانی شخصیات میں برصغیر پاک وہند کے صرف ایک ہی عالم اور صوفی حضرت علامہ مولانا محمد اختر رضا خاں الازہری بریلوی کو شامل کیا گیا ہے جو امام احمد رضا کے نبیرہ بھی ہیں اور مفتی اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا کے جانشین بھی ہیں اور فخر الازہر بھی ہیں اور آج بھی بغیر نمود ونمائش یعنی بغیر تصاویر اور بغیر ویڈیو فلم کے لوگوں کے دلوں پر حکومت کررہے ہیں اور اس کتاب میں 50 افراد جن کی تفصیل دی گئی ہے سب کی تصاویر بھی دی ہیں، مگر چونکہ حضرت علامہ اختر رضا آج بھی امام احمد رضا اور مفتی اعظم ہند کے فتوے کے سختی سے قائل ہیں اس لیے نہ تصویر کھنچواتے ہیں اور نہ ویڈیو بنواتے ہیں مگر پھر بھی ان کی عظمت مزید اجاگر ہوتی جارہی ہے اور ظاہری شہرت بھی حاصل ہورہی ہے۔ اس لیے یہاں ایک مؤدبانہ گزارش علمائے اہلسنت کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جب دنیا نے ان کو ایک مذہبی رہنما قرار دیا جن کے پیچھے لاکھوں کی تعداد میں لوگ موجود ہیں اور سب کے سب مسلک اعلیٰ حضرت کے پیروکار بھی ہیں۔ تو کیوں نہ تمام اہلسنت کے علماؤ مشائخ مفتی اختر رضا خاں الازہری کو اپنا واحد پیشوا اور رہنما مان لیں تا کہ وہ ہماری باگ ڈور سنبھالیں اور ہم سب ان کے نہیں بلکہ ان کے جد امجد امام احمد رضا کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور دنیا کے سامنے ایک بڑی روحانی اجتماعیت ثابت کریں اور آپس کے فقہی اور دیگر اقسام کے اختلافات کو دور کرکے ایک آواز ہو کر عوام الناس کو اتحاد بین علمائے اہلسنت کا پیغام دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم کی اس راہ پر متحد رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آخر میں اپنے محب خاص مولانا امجد رازی کے ان دعائیہ کلمات پر اپنی بات ختم کروں گا:

شمعِ بزمِ ہدایت سلامت رہے
نورِ روئے طریقت سلامت رہے
تخمِ نخلِ حقیقت سلامت رہے
گلستانِ ہدایت سلامت رہے
مسلکِ اعلیٰ حضرت سلامت رہے

THE 500 MOST INFLUENTIAL MUSLIMS 2010
Rank: 26

Mufti Muhammad Akhtar Raza Khan Qaadiri Al Azhari

Barelwi Leader and Spiritual Guide:

Country: India
Date of Birth: 23 November 1943
Source of Influence: Administrative, Scholarly
Influence: Approximately 2 million *Barkatiya* Barelwis worldwide

School of Thought: Traditional Sunni, Hanafi, Sufi Mufti Muhammad Akhtar Raza Khan is the leader of the Indian Barelwis and considered by his followers as the Grand Mufti of India. He is the great-grandson of Ahmed Raza Khan (d. 1921), who founded the Barelwi movement in South Asia.

Scholarly Lineage:

Mufti Akhtar Raza was ordained at the age of 20 by his predecessor Mufti Mustafa Raza Khan. He was subsequently granted permission to lead the *Qaadriya, Barakaatiyah*, and *Nooriyah* Sufi orders in India. He was also appointed to the position of Muslim Chief Justice of India in 2006.

Dynamic Mufti:

Mufti Akhtar Raza is esteemed for his extensive collection of English-language rulings, the *Azharul Fatawa*. He became involved in issuing Islamic rulings from the age of 17 and is noted for having issued over 5,000 rulings since attaining leadership as mufti.

Spiritual Tradition:

The Barelwis are an apolitical Sufi community based in a volatile region where religion has been used as a platform for violence—despite this, it thrives as a socially engaged mystical movement. A missionary movement, the Barelwis have spread their message within South Asia and also among Diaspora communities. This group is distinct from Deobandi Muslims—who practice a more conservative brand of Islam.

Resource: The Royal Islamic Strategic Studies Centre Dated :23-10-2010
www.rissc.jo

RUNNERS-UP

The following leaders are selected as runners-up from the 450 list for accomplishments in their respective fields that place them amongst the most significant Muslims in the world. They command influence almost comparable to those in the Top 50. They deserve mention here

Qaudri, Professor Sayid Ameen Mmian [2009:44]

Professor Sayid Ameen Mian Qaudri is leader of the Indian Barelwis and a *sajjada nashin*, or Sufi disciple of the Barkatiya Sufi tradition which stems from the Qadiriyyah tradition of eminent Sufi master, 'Abd al Qadir al Jilani (1077-1166 CE). Qaudri is also a professor of Urdu language at India's
esteemed Aligarh Muslim University.

Qadiri, Sheikh Muhammad Ilyas Attar [new]

Sheikh Muhammad Ilyas Attar Qadiri is a leader of the *Qadiriyyah, Radaviyyah, Attariya* branch of the *Qadiriyyah* Sufi order. He is also the founder of Dawat-e-Islami, a Sunni Barelwi revivalist movement centering on the propagation of Islamic knowledge. Qadiri is a widely-respected sheikh with a significant global following..

Al Qadri, Dr Muhammad Tahir [new]

Al Qadri is a politician, professor, and the founder of Minhaj ul Qur'an International Worldwide, an organization whose aim is to establish unity and understanding between communities. He is also the founder of the Minhaj Welfare Foundation that provides welfare for the needy.

Al Qadri has authored some 450 published works and given more than 6,000 lectures on economics and political studies, religious and social philosophy, law and medical sciences which are aired on international satellite channels such as QTV, PTV Prime and the Islam Channel.

He also served as a jurist consult (legal advisor) on Islamic law for the Supreme Court and the Federal Shari'ah Court of Pakistan and has worked as a specialist adviser on Islamic curricula for the Federal Ministry of Education of Pakistan.

۱۰۴ سال قبل "ایاکم وایاھم" عمر مبارک ۵۰ سال

خطاب مفکرِ اسلام احمد رضا محدث حنفی

ترتیب: شجاعت خان علیمی

تم جو اُن شیطان آدمیوں کی باتیں سننے جاؤ کیا تمھیں یہ تلاش ہے کہ دیکھیں اس مذہبی اختلاف میں یہ لکچرار یا یہ منادی کیا فیصلہ کرتا ہے۔ ارے خدا سے بہتر فیصلہ کس کا! اُس نے مفصل کتاب قرآنِ عظیم تمھیں عطا فرما دی اُس کے بعد تم کو کسی لکچر، ندا کی کیا حاجت ہے۔ لکچر والے جو کسی کتابِ دینی کا نام نہیں لیتے کس گنتی شمار میں ہیں! یہ کتاب والے دل میں خوب جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہے کہ ہٹ دھرمی سے مکرے جاتے، ہیں تو تجھے کیوں شک پیدا ہو کہ اُن کی سُننا چاہے۔ تیرے رب کا کلام صدق وعدل میں بھرپور ہے۔ کل تک جو اُس پر تجھے کامل یقین تھا آج کیا اُس میں فرق آیا کہ اُس پر اعتراض سننا چاہتا ہے۔ کیا خدا کی باتیں کوئی بدل سکتا ہے، یہ نہ سمجھنا کہ میرا کوئی مقال کوئی خیال خدا سے چھپ رہے گا وہ سنتا جانتا ہے، دیکھ اگر تُو نے اُن کی سُنی تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں گے۔ یہ خیال کرتا ہے کہ ان کا علم دیکھوں کہاں تک ہے یہ کیا کہتے ہیں۔ ارے اُن کے پاس علم کہاں وہ تو اپنے اوہام کے پیچھے لگے ہوئے اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں جن کا تھل نہ بیڑا۔ جب اللہ واحد قہار کی گواہی ہے کہ اُن کے پاس نری مہمل اٹکلوں کے سوا کچھ نہیں تو اُن کو سُننے کے کیا معنیٰ؟ سننے سے پہلے وہی کہہ دے جو تیرے نبی ﷺ نے تعلیم فرمایا کہ "کذبت" شیطان تو جھوٹا ہے، اور اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ مجھ کو کیا گمراہ کریں گے میں تو راہ پر ہوں تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بہکے گا اور کون راہ پر ہے تو پُورا راہ پر ہوتا تو بے راہوں کی سُننے ہی کیوں جاتا، حالانکہ تیرا رب فرما چکا:

ذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○[۲]

چھوڑ دے اُنھیں اور اُن کے بہتانوں کو۔ تیرے نبی ﷺ فرما چکے:

ایاکم وایاھم ○[۳]

اُن سے دُور رہو اور اُن کو اپنے سے دُور کرو کہیں وہ تم کو بہکا نہ دیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

بھائیو! ایک سہل سی بات ہے اسے غور فرمالو۔ تم اپنے رب جل وعلا اپنے قرآن اپنے نبی ﷺ پر سچّا ایمان رکھتے ہو یا معاذ اللہ کچھ شک ہے! جسے شک ہو اسے اسلام سے کیا علاقہ وہ ناحق اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو کیوں بدنام کرے۔ اور اگر سچا ایمان ہے تو اب یہ فرمایئے کہ ان کے لکچروں، نداؤں میں آپ کے رب[۴] و قرآن و نبی و ایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت۔ ظاہر ہے کہ دوسری ہی صورت ہوگی اور اسی لیے تم کو بلاتے ہیں کہ تمھارے

منہ پر تمہارے خدا و نبی و قرآن و دین کی توہین و تکذیب کریں۔

اب ذرا غور کرلیجیے ایک شریر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی، للہ انصاف، کیا کوئی غیرت، والا حمیّت والا، انسانیت والا جبکہ اُسے اس بیان سے روک دینے باز رکھنے پر قادر نہ ہو اُسے سُننے جائے گا حاشاللہ کسی بھنگی چمار سے بھی یہ نہ ہوسکے گا پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ دیکھو کہ اللہ و رسول ﷺ و قرآنِ عظیم کی توہین، تکذیب، مزمّت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی۔ ایمان رکھتے ہو تو اُسے اُس سے کچھ نسبت نہ جانو گے۔ پھر کون سے کلیجے سے اُن جگر شگاف ناپاک ملعون بہتانوں افتراؤں شیطانی انگلوں ڈھکو سلوں کو سُننے جاتے ہو بلکہ حقیقۃً فانصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ و رسول ﷺ و قرآنِ عظیم کی تحقیر کرتے ہیں اس سب کے باعث یہ سننے والے ہیں اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں اپنے ربﷻ و قرآن و رسول کی عزت عظمت پیشِ نظر رکھیں اور ایکا کرلیں کہ وہ خبیث لکچر، گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا جو وہاں موجود ہو وُہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر تو جھوٹا ہے چلا جائے گا تو کیا وہ دیواروں، پتھروں سے اپنا سر پھوڑیں گے تو تو تم سُن سُن کر کہلواتے ہو نہ تُم سنو نہ وُہ کہیں، پھر انصاف کیجیے کہ اُس کہنے کا وبال کس پر ہوا۔ علما فرماتے ہیں ہٹّے کٹّے جوان تندرست جو بھیک مانگنے کے عادی ہوتے اور اسی کو اپنا پیشہ کرلیتے ہیں اُنھیں دینا ناجائز ہے کہ اس میں گناہ پر شہ دینی ہے۔ لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور محنت مزدوری کریں۔ بھائیو! جب اس میں گناہ کی امداد ہے تو اس میں تو کفر کی مدد ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ! قرآنِ عظیم کی نصِ قطعی نے ایسی جگہ سے فوراً ہٹ جانا فرض کردیا اور وہاں ٹھہرنا فقط حرام ہی نہ فرمایا بلکہ سُنو تو کیا ارشاد کیا۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝ [8]

یعنی "بے شک اللہ تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب تم سُنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہوتا اور اُن کی ہنسی کی جاتی ہے تو اُن لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ اور باتوں میں مشغول نہ ہوں اور تم نے نہ مانا اور جس وقت وہ آیات اللہ پر اعتراض کررہے ہیں وہاں بیٹھے تو جب تم بھی انھیں جیسے ہو بیشک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔" آہ! آہ! حرام تو ہر گناہ ہے یہاں تو اللہ واحد قہار یہ فرمارہا ہے کہ وہاں ٹھہرے تو تم بھی اُنھیں جیسے ہو۔

مسلمانو! کیا قرآنِ عظیم کی یہ آیات تم نے منسوخ کردیں یا اللہ عزوجل کی اس سخت وعید کو سچّا نہ سمجھے یا کافروں جیسا ہونا قبول کرلیا اور جب کچھ نہیں تو اُن جمگھٹوں کے کیا معنٰے ہیں جو آریوں، پادریوں کے لکچروں، نداؤں پر ہوتے ہیں اُن جلسوں میں شرکت کیوں ہے جو خدا اور رسول ﷺ و قرآن پر اعتراضوں کے لیے جاتے ہیں۔

بھائیو! میں نہیں کہتا قرآن فرماتا ہے کہ: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ اُن لکچروں پر جمگھٹ والے اُن جلسوں میں

شرکت والے سب اُنھیں کافروں کے مثل ہیں وہ علانیہ بک کر کافر ہوئے یہ زبان سے کلمہ پڑھیں اور دل میں خدا ورسول ﷺ و قرآن کی اتنی عزّت نہیں کہ جہاں اُن کی توہین ہوتی ہو وہاں سے بچیں تو یہ منافق ہوئے جب تو فرمایا کہ اللہ اُنھیں اور اُنھیں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا کہ اب یہاں تم لکچر دو اور تم سنو:

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ O [۱]

(ترجمہ کنزالایمان: "ہاں ہاں تو ہی بڑا عزّت والا کرم والا ہے۔)

الٰہی اسلامی کلمہ پڑھنے والوں کی آنکھیں کھول ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ مسلمان اگر قرآن عظیم کی اس نصیحت پر عمل کریں تو ابھی ابھی دیکھیں کہ اعداء اللہ کے سب بازار ٹھنڈے ہوئے جاتے ہیں۔ ملک میں ان کے شور وشر کا نشان نہ رہے گا جہنم کے کُندے شیطان کے بندے آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر سر پھوڑیں گے۔ اللہ و رسول ﷺ و قرآنِ عظیم کی توہینوں سے مسلمانوں کا کلیجا پکا نا چھوڑیں گے اور اپنے گھر بیٹھ کر بکے بھی تو مسلمانوں کے کان تو ٹھنڈے رہیں گے۔ اے رب میرے توفیق دے:

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ خیر بات دُور پہنچی اور بحمد اللہ تعالٰی بہت نافع وضروری تھی۔ کہنا یہ تھا کہ وسوسۂ شیطان کا تیسرا علاج یہ ہے کہ خبیث تو جھوٹا ہے۔ امام ابو حازم کہ اجلۂ ائمۂ تابعین سے ہیں اُن کے پاس ایک شخص آکر شاکی ہوا کہ شیطان مجھے وسوسے میں ڈالتا ہے اور سب سے زیادہ سخت مجھ پر یہ گزرتا ہے کہ آکر کہتا ہے تُو نے اپنی عورت کو طلاق دے دی امام نے فوراً فرمایا کیا تو نے میرے پاس آکر میرے سامنے اپنی عورت کو طلاق نہ دی وہ گھبرا کر بولا خدا کی قسم میں نے کبھی آپ کے پاس اُسے طلاق نہ دی فرمایا جس طرح میرے آگے قسم کھائی شیطان سے کیوں نہیں قسم کھا کر کہتا کہ وہ تیرا پیچھا چھوڑے اخرجہ ابو بکر بن ابی داود فی کتاب الوسوسۃ [۱۳]۔

(۴) وسوسہ کا اتباع اپنے حول وقوت پر نظر سے ہوتا ہے ابلیس خیال ڈالتا ہے کہ تُو نے یہ عمل کامل نہ کیا اس میں فلاں نقص رہ گیا یہ اُس کی تکمیل کے خیال میں پڑتا ہے حالانکہ جتنا رخصت شرعیہ کے مطابق ہو گیا وہ بھی کامل و کافی ہے اکملیت کے درجات اکملوں کے لائق ہیں دشمن سے کہہ کہ اپنی دل سوزی اٹھا رکھے مجھ سے تو اتنا ہی ہو سکتا ہے ناقص ہے تو میں خود ناقص ہوں اپنے لائق میں بجالایا میرا مولیٰ کریم ہے میرے عجز وصنعت پر رحم فرما کر اتنا ہی قبول فرمالے گا اُس کی عظمت کے لائق کون بجالا سکتا ہے۔

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش
عذر بدر گاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش
کس نتواند کہ بجا آورد

(بندہ وہی بہتر ہے کہ اپنے قصور کا عذر اللہ تعالٰی کی درگاہ میں کرے ورنہ خدا کی شان کے لائق کوئی شخص پورا نہیں کر سکتا۔ ت)

(فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاہور، جلد نمبر ۱، صفحہ ۷۸۳ تا ۷۸۶)

(حواشی صفحہ 56 پر ملاحظہ فرمائیں۔)

اَلْمِیْلَادُ النَّبَوِیَّۃُ فِی الْاَلْفَاظِ الرِّضَوِیَّۃِ

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مجدّدِ دین وملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ

قارئین معارفِ رضا کے ذوقِ مطالعہ کے لیے بارہ ربیع الاوّل شریف کی شب میلادِ مبارک کے موقع پر کی گئی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک ایمان افروز تقریر مسمّٰی بہ "اَلْمِیْلَادُ النَّبَوِیَّۃُ فِی الْاَلْفَاظِ الرِّضَوِیَّۃِ" جو ضبطِ تحریر میں لانے کے بعد اعلیٰ حضرت کو سنا کر چیک کروالی گئی تھی۔ رضا اکیڈمی ممبئی کے نسخے (سنِ اشاعت ۱۴۱۸ھ) کے مطابق اس جگہ شائع کی جارہی ہے۔
ندیم احمد ندیم قادری نورانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

الحمد للہ الذی فضّل سیدنا ومولٰنا محمدًا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی العٰلمین جمیعاً واقامہ یوم القیامۃ للمذ نبین المتلوّ ثین الخطائین الھالکین شفیعاً۔ فصلے اللہ تعالٰی وسلم وبارک علیہ وعلٰی کل من ھو محبوب ومرضیّ لدیہ صلاۃ تتلقی وتدوم بدوام الملک الحی القیوم واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولٰنا محمدًا عبدہ ورسولہ بالھدے ودین الحق ارسلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔ قال اللہ تعالٰی فی القرآن الحکیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ رب العٰلمین ٥ الرحمٰن الرحیم ٥ مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین ٥ اھدنا الصراط المستقیم ٥ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ٥ اٰمین۔

حضرت عزت جل جلالہٗ اپنی کتابِ کریم و ذکرِ حکیم میں اپنے بندوں پر اپنی رحمتِ تامہ گستردہ فرماتا اور اُن کو اپنے دربار تک وصول کا طریقہ بتاتا ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ رب العزۃ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی اور خود اُن کی طرف سے ارشاد ہوئی۔ ابتدا اس کی اور تمام سُورِ قرآنِ عظیم کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے فرمائی گئی۔ اوّلِ حقیقی اللہ عزوجل ہے۔

ھو الاوّل والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یوں فرمائی گئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وہ جو اوّلِ حقیقی اللہ کا عَلَمِ ذات ہے کہ ذات واجب الوجود مستجمع جمیع صفاتِ کمالیہ پر دال ہے اُس سے پہلے اسم کا لفظ لائے اور اُس پر بے کا حرف داخل فرمایا۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ اپنی الوہیت، وحدانیت وہویت میں بے غایت ظہور سے بیغایت بطون میں ہے۔ بندوں کو اُس تک وصول محال کسی کی عقل، کسی کا وہم، کسی کا خیال اُس تک نہیں پہنچتا جس کا نام اللہ ہے وہ پاک ومنزہ ہے اس سے کہ اُس تک فکر ووہم کا وصول ہو سکے۔ ایسی مخفی وباطن شے اُس تک وصول کے لیے علامت درکار اور اسم کہتے ہیں علامت کو جو دلالت کرے ذات پر تو

اسم اللہ ذریعہ ہوا وصول کا اور اسم جبکہ نام ٹھہرا اُس شے کا جو دلالت کرنیوالی ہے ذات پر ذات پاک ہے اس سے کہ اُسے کسی شے کی حاجت ہو۔ ضرور ہے کہ ذات پر دلالت کرنے کے لیے تین چیزیں ہونی چاہیں ۔ ایک ذات ہو دوسرا اُس کا غیر ہو تیسرا بیچ میں کوئی واسطہ ہو جو دلالت کرے اُس غیر کو اُس ذات کی طرف وہ ذات ذات الٰہی ہے اور وہ غیر یہ تمام عالم مخلوقات اور اسم اللہ کہ اللہ پر دلالت کرنے والا ہے وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں تو گویا ابتدا ہی نام اقدس سے فرمائی گئی۔ اپنے نام پاک سے پہلے نام حضور اقدس ﷺ کا لایا جاتا ہے کہ ذریعۂ وصول ہوئے اسم اللہ تمام مخلوقات کے لیے جو ازل سے ابد تک وجود میں لائی گئی ذات اقدس کی طرف دال ہے اس واسطے کہ تمام جہان کو اللہ کی طرف ہدایت حضور ہی نے فرمائی حضور ہی ہادی ہیں مخلوقِ الٰہی کے یہاں تک کہ انبیائے کرام و مرسلینِ عظام کے بھی ہادی ہیں تو حضور کے سوا جتنے ہادی ہیں دلالتِ مطلقہ سے موصوف نہیں ہوسکتے کہ اُنھوں نے تمام مخلوق کو دلالت کی ہو اُن کو کسی نے دلالت نہ کی ہو۔ ایسا نہیں اگر وہ امتوں کے دال ہیں تو حضور کے مدلول ہیں دلالتِ مطلقہ خاص حضورِ اقدس ہی کے لیے ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تمام غیر اللہ کو اللہ کی طرف جس نے دلالت کی وہ محمد رسول اللہ ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تمام مخلوقات الٰہی میں کچھ تو وہ ہیں جو اللہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے، کچھ وہ ہیں جو علاقہ رکھتے ہیں وسائط کے ساتھ مگر دوسرا اُن سے علاقہ نہیں رکھتا مہدی ہیں، ہادی نہیں۔ یعنی ہادی بالذات نہیں اگرچہ بالواسطہ ہادی ہوں اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الاطلاق ہادی و مہدی ہیں۔ کلمہ کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل، حرف، حرف تو نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ فعل مسند ہوتا ہے مگر مسند الیہ نہیں ہوتا۔ اسم مسند بھی ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی تو وہ جو بے علاقہ ہیں ذاتِ الٰہی سے، وہ حرف ہیں کہ:

”ومن الناس من یعبداللہ علی حرف ۚ فان اصابہ خیرن اطمأن بہ ۚ وان اصابتہ فتنۃ ن انقلب علی وجھہ ۚ خسر الدنیا والاخرۃ ۭ ذٰلک ھو الخسران المبین o“

(سورۂ حج، آیت ۱۱)

ترجمہ: ”کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کو پوجتے ہیں کنارے پر تو اگر بھلائی پہنچ گئی تو مطمئن رہے اور اگر کوئی آزمائش ہوئی تو کنارے پر کھڑے ہی ہیں فوراً ایک قدم میں بدل گئے، پلٹ گئے: اُن کو دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ ہوا اور یہی کھلا خسارہ ہے۔“

تو یہ نہ مسند ہیں نہ مسند الیہ کہ حرف ہیں۔ اور وہ جو خود ذاتِ الٰہی سے علاقہ رکھتے ہیں مگر بالذات اُن سے دوسرا علاقہ نہیں رکھتا وہ تمام مومنین وہادین کہ مسند ہیں مگر بالذات مسند الیہ نہیں وہ فعل ہیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ کریم بیشک مسند و مسند الیہ بالذات و بے وساطت ہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسم ہیں کہ اُن کو اپنے رب سے نسبت ہے اور سب کو ان سے نسبت ہے اور یہی شان ہے اسم کی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔ اسم کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ اس پر حرفِ تعریف داخل ہوتا ہے اور تعریف کی حد ہے حمد اور حمد کی تکثیر ہے تحمید اور اُسی سے مشتق ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم یعنی بار بار اور بکثرت بے شمار تعریف کیے گئے حمد کیے

گئے تو مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق نہیں مگر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ وہی اصلِ جملہ کمالات ہیں جس کو جو کمال ملا ہے وہ حضور ہی کے کمال کا صدقہ اور ظل وپرتو ہے۔ امام سیدی محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں عرض کرتے ہیں ؎

کیف ترقی رقیك الانبیاءُ یا سماءً ما طاولتها سماء

لم یدانُوك فی علاك وقد حا لی سنًا منك دونهم وسناء

انما مثلوا صفاتك للنا س کما مثل النجوم الما

ترجمہ: ''انبیا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی کیسے پاسکیں اے وہ آسمان جس سے کوئی آسمان بلندی میں مقابلہ نہین کرسکتا۔ وہ حضور کے مراتبِ بلند کے قریب بھی نہ پہنچے حضور کی رفعت وروشنی حضور تک پہنچنے سے اُنھیں حائل ہوگئی وہ تو حضور کی صفاتِ کریمہ کا پرتو لوگوں کو دکھا رہے ہیں۔ جیسے ستاروں کی شبیہ پانی دکھاتا ہے۔''

حضور کی صفات کو نجوم سے تشبیہ دی کہ وہ لاتعدد لا تحصی ہیں انبیائے کرام غایت انجلا میں مثل پانی کے ہیں اپنی صفا کے سبب ان نجوم کا عکس لے کر ظاہر کرتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ حمد ہوا کرتی ہے مقابل کسی صفت کمال کے اور تمام صفات کمال مخلوقات میں خاص ہیں حضور کے لیے، باقی کو جو ملا ہے۔ حضور کا عطیہ وصدقہ ہے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''انما انا قاسم واللّٰہ المعطی''

ترجمہ: ''عطا فرمانے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں۔''

کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ کس چیز کا عطا فرمانے والا اللہ ہے اور کس چیز کے حضور قاسم ہیں۔ ایسی جگہ اطلاق دلیل تعمیم ہے؛ کونسی چیز ہے جس کا دینے والا اللہ نہیں تو جو چیز جس کو اللہ نے دی تقسیم فرمانے والے اُس کے حضور ہی ہیں، جو اطلاق وتعمیم وہاں ہے یہاں بھی ہے؛ جو جس کو ملا اور جو کچھ بٹا اور بٹے گا ابتدائے خلق سے ابد الآباد تک ظاہر وباطن میں، روح وجسم میں، ارض وسما میں، عرش وفرش میں، دنیا وآخرت میں جو کچھ ہے اُن سب کے بانٹنے والے حضور ہی ہیں اللہ عطا فرماتا ہے اور اِن کے ہاتھ سے ملتا ہے اور ملے گا الی ابد الآباد۔ لہٰذا مخلوقات میں تعریف کے اصل مستحق یہ ہی ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ اسم کا خاصہ ہے جر اور جر کے معنٰی ہیں کشش یعنی جذب فرمانا یہ خاصہ ہے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا۔ کھینچنا دو طرح ہوتا ہے ایک کھینچنا بلا مزاحمت کہ جس کو کھینچا جائے وہ کھنچ آئے دوسرا کھینچنا مزاحمت کے ساتھ کہ کھینچنے والا تو کھینچ رہا ہے اور یہ کھنچنا نہیں چاہتا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''انتم تتقحمون فی النار کالفراش وانا آخذ بحُجزکم هلم الی''

ترجمہ: ''تم پروانوں کی مانند آگ پر گرے پڑتے ہو اور میں تمھارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں کہ میری طرف آؤ۔'' یہ شان ہے جر یعنی کشش کی اسمِ نحوی کا خاصہ جر من حیث الوقوع ہے اور اسم اللہ کا من حیث الصدور۔ ہاں جر ان احوال وکیفیات سے ناشی ہوتا ہے جن پر حروف جارہ دلالت کرتے ہین وہ یہاں بروجہ اتم ہیں مثلاً (بے) کے معنٰی ہیں الصاق یعنی ملانا یہ خاص کام ہے حضورِ اقدس کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم کہ خلق کو خالق سے ملاتے ہیں یا ''من'' کہ ابتدائے غایت کے لیے

ہے یہ بھی خاص ہے حضور ہی کے لیے یا جابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ۔ اے جابر تمام جہاں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہر فضل و ہر کمال حتیٰ کہ وجود میں بھی ابتدا اُنھیں سے ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ "الی" آتا ہے انتہائے غایت کے لیے انتہائے کمال انھیں پر بلکہ ہر فرد کمال انھیں پر منتہی ہوتا ہے۔ اول الانبیا بھی وہی ہیں اور خاتم النبیین بھی وہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ تلمسانی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ایک بار رجبریل امین حاضر بارگاہِ اقدس ہوئے اور عرض کی السلام علیک یا اول السلام علیک یا آخر السلام علیک یا ظاہر السلام علیک یا باطن۔ رب العزۃ نے قرآنِ عظیم میں اپنی صفتِ کریمہ فرمائی ہے:

ھوالاول والآخر والظاھر والباطن وھوبکل شیئ علیم۔

اس آیت کے لحاظ سے حضور نے جبرئیل سے فرمایا کہ یہ صفات میرے رب عزوجل کی ہیں عرض کی یہ صفات اللہ عزوجل کی ہیں اُس نے حضور کو بھی ان سے متصف فرمایا اللہ نے حضور کو اول کیا تمام مخلوق سے پہلے خصور کے نور کو پیدا کیا، اور اللہ نے حضور کو آخر کیا کہ تمام انبیا کے بعد مبعوث فرمایا اور حضور کو ظاہر کیا اپنے معجزات نبیہ سے کہ عالم میں کسی کو شک وشبہ کی مجال نہیں، اور حضور کو باطن کیا ایسے غایت ظہور سے کہ آفتاب اُس کے کروڑویں حصہ کو نہیں پہنچتا۔ آفتاب اور جملہ انوار اُنھیں کے تو پرتو ہیں۔ آفتاب میں شک ہو سکتا ہے اور اُن میں شک ممکن نہیں۔ فرض کیجئے اگر ہم نصف النہار پر ایک

روشن شرارہ آفتاب کی برابر دیکھیں جسے اپنے گمان سے یقیناً آفتاب سمجھیں اور اُس کی دھوپ بھی دوپہر ہی کی طرح پھیلی ہو اور حضور فرمائیں یہ آفتاب نہیں کوئی کرۂ نار کا شرارہ ہے یقیناً ہر مسلمان صدق دل سے فوراً ایمان لائے گا کہ حضور کا ارشاد قطعاً حق و صحیح ہے۔ اور افتاب سمجھنا میرے نگاہ وگمان کی غلطی صریح ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا؟ یہ ہی کہ آفتاب ہنوز معرض خفا میں ہے اور حضور پر اصلاً خفا نہیں۔ آفتاب سے کروروں درجہ زیادہ روشن ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اُن کا یہ غایت ظہوری غایت بطون کا سبب ہے اور حضور کے بطون کی یہ شان ہے کہ خدا کے سوا حضور کی حقیقیت سے کوئی واقف ہی نہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو اعرف الناس یعنی سب سے زیادہ حضور کے پہچاننے والے اس امتِ مرحومہ میں ہیں اسی واسطے ان کا مرتبہ افضل واعلیٰ ہے۔ معرفت الٰہی وہ معرفتِ محمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو ان کی معرفت زائد ہے اُس کو معرفت الٰہی بھی زائد ہے۔ صدیق اکبر جیسے اعرف الناس کہ تمام جہان سے زیادہ حضور کی معرفت رکھتے ہیں اُن سے ارشاد فرمایا:

"ابابکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی۔"

ترجمہ: "اے ابو بکر! جیسا میں ہوں سوا میرے رب کے اور کسی نے نہ پہچانا۔"

باطن ایسے کہ خدا کے سوا کسی نے اُن کو پہچانا ہی نہیں اور ظاہر بھی ایسے کہ مرتبہ ہر ذرّہ شجر وحجر وحوش وطیور حضور کو جانتے ہیں یہ کمالِ ظہور ہے صدیق اپنے مرتبہ کے لائق حضور کو جانتے ہیں، جبریل امین اپنے مرتبہ کے لائق پہچانتے ہیں، انبیا ومرسلین اپنے اپنے مراتب کے

لائق۔ باقی رہا حقیقۃً اُن کو پہچاننا تو ان کا جاننے والا، اُن کا رب ہے تبارک وتعالیٰ اُن کا بنانے والا، اُن کا نوازنے والا۔ اُن کی حقیقت کے پہچاننے میں دوسرے کے واسطے حصّہ ہی نہیں رکھا۔ بلا تشبیہ محب نہیں چاہتا کہ جو ادا محبوب کی اُس کے ساتھ ہے وہ دوسرے کے ساتھ ہو اللہ تمام جہان سے زیادہ غیرت والا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں:

"انہ الغیور وانا اغیر منہ واللہ اغیر منی۔"

ترجمہ: "وہ غیرت والا ہے اور میں اُس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔"

وہ کیونکر روا رکھے گا کہ دوسرا میرے حبیب کی اُس خاص ادا پر مطلع ہو جو میرے ساتھ ہے۔ اسی واسطے فرمایا جاتا ہے جیسا میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا ہم تو قوم نیام تسلوا عنہ بالحکم ہیں ہی سوتے ہیں خواب ہی میں زیارت پر راضی ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حقیقت۔ اقدس کے لحاظ سے اسی کے مصداق ہیں دنیا خواب ہے اور اُس کی بیداری نیند امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

"الناس نیام اذا ماتوا انبتھوا۔"

ترجمہ: "لوگ سوتے ہیں جب مریں گے جاگیں گے۔"

خواب اور دنیا کی بیداری میں اتنا فرق ہے کہ خواب کے بعد آنکھ کھلی اور کچھ نہ تھا اور یہاں آنکھ بند ہوئی اور کچھ نہ تھا نتیجہ دونوں جگہ ایک ہے۔

"وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور"

خواب میں جمال اقدس کی زیارت ضرور حق ہوتی ہے خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

"من رانی فقد رای الحق فان الشیطان لا یتمثل۔"

ترجمہ: "بے شک جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق دیکھا کہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔"

پھر لوگ مختلف اشکال واحوال میں دیکھتے ہیں وہ اختلاف اُن کے اپنے ایمان واحوال ہی کا ہے ہر ایک اپنے ایمان کے لائق اُن کو دیکھتا ہے۔ یوہیں بیداری میں جتنے دیکھنے والے تھے سب اُس آئینہ حق نما میں اپنے ایمان کی صورت دیکھتے ورنہ اُن کی صورت حقیقیہ پر غیرت الٰہیہ کے ستر ہزار پردے ڈالے گئے ہیں کہ اُن میں سے اگر ایک پردہ اُٹھا دیا جائے آفتاب جل کر خاک ہو جائے۔ جیسے آفتاب کے آگے ستارے غائب ہو جاتے ہیں اور جو ستارہ اُس سے قران میں ہو احتراق میں کہلاتا ہے تو صحابہ کرام نے بھی خواب ہی میں زیارت کی نہ ربّ العزۃ کو کوئی بیداری میں دنیا میں دیکھ سکتا ہے نہ جمالِ انور حضور اقدس کو جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج کہ رب العزہ جل وعلا کو بیداری میں چشم سر سے دیکھا وہ دیکھنا دنیا سے ورا تھا کہ دنیا ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے اور یہ رویت لا مکاں میں ہوئی بالجملہ اُس وقت بھی ہر شخص نے اپنے ایمان ہی کی صورت دیکھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئینہ خدا ساز ہیں۔ ابو جہل لعین حاضر ہو کر عرض کرتا ہے "زشت نقش کز نبی ہاشم شگفت" حضور فرماتے ہیں صدقت تو سچ کہتا ہے۔ ابو بکر صدیق اکبر عرض کرتے ہیں حضور سے زیادہ کوئی خوبصورت نہ پیدا ہوا۔ حضور بے مثل ہیں، حضور آفتاب ہیں، نہ شرقی نہ غربی۔ ارشاد فرمایا صدقت تم سچ کہتے ہو صحابہ نے عرض کی حضور

نے دو متضاد قولوں کی تصدیق فرمائی ارشاد فرمایا:

گفت من آئینہ ام مصقول دوست: ترک ہندو دہن آن بیند کہ اوست۔ میں تو اپنے چاہنے والے رب تبارک وتعالیٰ کا اجالا ہوا آئینہ ہوں ابوجہل کہ ظلمت کفر میں آلودہ ہے اُس کو اپنے کفر کی تاریکی نظر آئی اور ابوبکر سب سے بہتر ہیں اُنھوں نے اپنا نورِ ایمان دیکھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ لہٰذا ذات کریم جامع کمال ظہور وکمال بطون ہے۔ ظہور کسی شے کا جب ایک ترقی محدود تک ہوتا ہے وہ شے نظر آتی ہے اور جب حد سے زیادہ ہوجاتا ہے تو وہ نظر نہیں آتی۔ آفتاب جب افق سے نکلتا ہے سرخی مائل کچھ بخارات وغبارات میں ہوتا ہے۔ ہر شخص کی نگاہ اُس پر جمتی ہے، جب ٹھیک نصف النہار پر پہنچتا ہے غایت ظہور سے باطن ہوجاتا ہے اب نگاہیں اُس پر نہیں ٹھہر سکتیں خیرہ ہوکر واپس آتی ہیں غایت ظہور پر پہنچا جس کی وجہ سے غایت بطون میں ہوگیا۔ آفتاب کہ نام ہے ان کی گلی کے ایک ذرّہ کا وہ آفتابِ حقیقت کہ رب العزۃ نے اپنی ذات کے لیے اُس کو آئینہ کاملہ بنایا ہے اور اُس میں مع ذات وصفات کے تجلّی فرمائی ہے حقیقت اُس ذات کی کون پہچان سکتا ہے وہ غایت ظہور سے غایت بطون میں ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ اسی سبب سے نامِ اقدس میں دونوں رعایتیں رکھی ہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت اور بار بار غیر متناہی تعریف کیے گئے اطلاق نے تمام تعریفوں کو جمع فرمالیا ہے یہ تو شان ہے غایت ظہور کی اور نامِ اقدس پر الف لام تعریف کا داخل نہیں ہوتا یعنی ایسے ظاہر ہیں کہ مستغنی عن التعریف ہیں تعریف کی ضرورت نہیں یا ایسے بطون میں ہیں کہ تعریف ہو نہیں سکتی تعریف عہد یا استغراق یا جنس کے لیے ہے وہ اپنے رب کی وحدتِ حقیقیہ کے مظہر کامل اپنے جملہ فضائل وکمالات میں شریک سے منزہ ہیں امام محمد بوصیری بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

منزہ عن شریك فی محاسنہ

فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

ترجمہ: "اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں اُن کے حسن کا جوہر فرد قابل انقسام نہیں"

کہ یہاں جنسیت واستغراق نامتصور اور عہد فرع معرفت ہے اور اُن کو ذاتاً وحقیقۃً کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تو نامِ اقدس پر کہ علم ذات ہے لامِ تعریف کیونکر داخل ہو۔

جس طرح "من"۔ "الی" جر کرتے ہیں اسی طرح کافِ تشبیہ بھی جر کے لیے آتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کمال تنزیہ کے مرتبے میں ہے اور تشابہات میں تشبیہات بھی وارد صحیح مذہب محققین کا یہ ہے کہ تنزیہ ہے اُس کی ذات وصفات کے لیے اور تشبیہ ہے تجلّیات کے لیے۔ دونوں کو اس آیہ کریمہ میں جمع فرمادیا:

"لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر" "لیس کمثلہ شے" کوئی شے اُس کے مثل نہیں یہ تنزیہ ہوئی اور وھو السمیع البصیر وہی ہے سننے دیکھنے والا۔ یہ تشبیہ جب تک اللہ نے عالم نہ بنایا تھا تشبیہ نہ تھی جب عالم بنایا تو نہ عالم خیال نہ عالم مثال میں بلکہ عالمِ تمثیل میں تجلّی ندلّی کے لیے ایک تشبیہ پیدا ہوئی جو عبارت ہے ذاتِ اقدس سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ اور اللہ تعالیٰ متعالی ہے شبیہ سے۔ ہاں پہلی تجلّی جو فرمائی ہے اُسی کا نام ہے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس تجلّی کی اور تجلّیات کی گئی

ہیں اُن کا نام ہے انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام۔ جس طرح امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے اوپر بیان ہوا۔ آگے فرمایا جاتا ہے ۔الرحمن الرحیم مدح کا قاعدہ ہے کہ اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔ الرحمن الرحیم سے پہلے لایا گیا الرحمن کہ رحمت کاملہ بالغہ رب تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ پھر فرمایا گیا "الرحیم" یعنی مطلق رحمت ہی اُس کے ساتھ خاص ہے رب العزۃ کی بے انتہا صفات ہیں یہ کیا ہے جن سے تمام صفات الٰہیہ کو رحمت کے پردے میں دکھایا۔ القھار المنتقم نہیں فرمایا جاتا الرحمن الرحیم خالص رحمت دکھائی جاتی ہے یہ وہی آئینہ ذات الٰہی ہے جس میں صفاتِ قہریہ بھی آکر خالص رحمت سے متلبس ہو جاتی ہیں ۔وما ارسلنک الا رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ اولین کے لیے رحمت، آخرین کے لیے رحمت ملٰئکہ کے لیے رحمت، تمام مومنین کے لیے رحمت، یہاں تک کہ دنیا میں وہ کافرین، مشرکین، منافقین، مرتدین کے لیے رحمت یہاں تک کہ دنیا میں وہ کافرین مشرکین منافقین مرتدین کے لیے بھی رحمت ہیں یہ لوگ بھی آج اُن کی رحمت سے دنیا میں عذاب سے محفوظ ہیں:

ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔

ترجمہ: "اللہ اس لیے نہیں کہ اُنہیں عذاب کرے جب تک اے رحمتِ عالم تم اُن میں ہو۔"

اسی لیے ادریس علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح ورفعنٰہ مکانا علیا اختیار نہ فرمایا گیا حالانکہ اُن کے غلام واہل محبت کی نعش تک آسمان پر اٹھالی گئی ہے۔ سیدی عمر بن الفارض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگل میں ایک جنازہ دیکھا۔ اکابر اولیا جمع ہیں مگر نماز نہیں ہوتی اُنھوں نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ کہا، امام کا انتظار ہے۔ ایک صاحب کو نہایت جلدی کرتے ہوئے پہاڑ سے اترتے دیکھا۔ جب قریب آئے معلوم ہوا کہ یہ وہ صاحب ہیں جن سے شہر میں لڑکے ہنستے اور چپتیں لگاتے ہیں، وہ امام ہوئے سب نے اُن کی اقتدا کی نماز ہی میں بکثرت سبز پرندوں کا نعش کے گرد مجمع ہو گیا۔ جب نماز ختم ہوئی نعش کو اپنی منقاروں میں لیکر آسمان پر اڑے ہوئے چلے گئے۔ انھوں نے پوچھا جواب ملا یہ اہلِ محبت ہیں ان کی میت بھی زمین پر نہیں رہنے پاتی مگر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہیں تشریف رکھنا پسند فرمایا کہ خلق کے لیے عذابِ عالم سے امان ہو۔ جنّت تو حضور کی رحمت کا پرتو ہے ہی، دوزخ بھی حضور کی رحمت سے بنی ہے کہ یہاں صفاتِ قہریہ بھی رحمت ہی کی تجلی میں ہیں۔ جنت کا رحمت ہونا ظاہر حضور کے نام لیواؤں کی جاگیر ہے۔ دوزخ کا بنانا بھی رحمت ہے۔ دو وجہ سے دنیا میں بادشاہ کی اطاعت تین ذرائع سے ہوتی ہے: اوّل بادشاہ کی اطاعت خاص اس لیے کہ وہ بادشاہ ہے دوسرے کچھ انعام کا لالچ دیا جاتا ہے کہ ہمارے احکام مانو گے تو یہ یہ انعام ملیں گے یہ رحمت ہے۔ تیسرے قاشی سرکش جو انعام کی پروا نہیں کرتے اطاعت نہیں کرتے اُن کو سزائیں سنا کر ڈرایا جاتا ہے کہ اگر اطاعت نہ کرو گے تو زندہ نہیں بھیجے جاؤگے۔ وہ انعام تو عین رحمت ہے ظاہر ہے اور یہ کوڑا عذاب کا یہ بھی رحمت ہے۔ اس لیے کہ رحمت ہی سے ناشی ہے کہ جیل خانے سے ڈر کر سزا کے مستحق نہ ہوں، اطاعت کریں، انعام کے مستحق ہوں تو دوزخ بھی رحمت

ہے کہ دنیا کوڈرنے کے باعث گناہوں سے بچانے والی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کفار نے اللہ کے محبوبوں کو ایذا دی اُن کی توہین کی رب العزۃ نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے دوزخ کو پیدا فرمایا قدر ضد کی ضد سے معلوم ہوا کرتی ہے۔ گرمی کی قدر سردی سے، سردی کی گرمی سے، چراغ کی اندھیرے سے معلوم ہوتی ہے کہ الاشیاء تعرف باضدادھا۔ ہو اہلِ جنت کو یہ دکھانا ہے کہ دیکھو اگر تم بھی محبوبانِ خدا کا دامن نہ تھامتے، ان کی طرح تمھاری جگہ بھی یہی ہوتی۔ اُس وقت محبوبانِ خدا کے دامن تھامنے کی قدر کھلے گی۔

وللہ الحمد وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔ اللھم صل علی سیدنا ومولنا محمد معدن الجود والکرم وآلہ الکرام اجمعین۔

حضور تمام جہان کے لیے رحمت ہیں رحمتِ الٰہی کے معنٰی ہیں "بندوں کو ایصالِ خیر فرمانے کا ارادہ۔" تو رحمت کے لیے دو چیزیں درکار ہیں: ایک مخلوق جس کو خیر پہنچائی جائے، دوسری خیر اور دونوں متفرع ہیں وجود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔ اگر حضور نہ ہوتے، نہ کوئی خیر ہوتی نہ کوئی خیر کا پانے والا تو رحمتِ الٰہی کا ظہور نہ ہوا مگر صورت وجود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں۔ تمام نعمتیں، تمام کمالات، تمام فضائل متفرع ہیں وجود پر اور تمام عالم وجود متفرع ہے حضور کے وجود پر تو سب پر حضور ہی کے طفیل رحمت ہوئی۔ ملک ہو خواہ نبی یا رسول جس کو جو نعت ملی حضور ہی کے دستِ عطا سے ملی۔ حضور نعمۃ اللہ ہیں قرآنِ عظیم نے اُن کا نام نعمۃ اللہ رکھا ان الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نعمت اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ولہذا اُنکی تشریف آوری کا تذکرہ امتثالِ امر الٰہی ہے قال تعالیٰ واما بنعمة ربك فحدث اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔ یہی تشریف آوری ہے جس کے طفیل دنیا، قبر، حشر، برزخ، آخرت غرض ہر وقت، ہر جگہ، ہر آن نعمتِ ظاہر وباطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے اور ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اپنے رب کے حکم سے اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے۔ مجلسِ میلاد آخر وہی شے ہے جس کا حکم رب العزت دے رہا ہے واما بنعمة ربك فحدث مجلس مبارک کی حقیقیت مجمع المسلمین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری وفضائلِ جلیلہ وکمالاتِ جمیلہ کا ذکر سنانا ہے بندیا رقعہ باٹنا یا طعام وشیرینی کی تقسیم اُس کا جزءِ حقیقت نہیں نہ ان میں کچھ جرم۔ اول دعوت الی الخیر ہے اور دعوت الی الخیر بیشک خیر ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ۔"

ترجمہ: "اُس سے زیادہ کسی کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔"

صحیح مسلم شریف میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"من دعی الی ھدی کان لہ الاجرمثل اجور من تبعہ ولاینقص ذلك من اجورھم شیئا۔"

ترجمہ: "جو لوگوں کو کسی ہدایت کی طرف بلائے جتنے اُس کا بلانا قبول کریں اُن سب کے برابر ثواب اُسے

ملے اور اُنکے ثواب میں کچھ کمی نہ ہو۔" اور اطعامِ طعام یا تقسیم شیرینی بروصلۂ واحسان وصدقہ ہے اور یہ سب شرعاً محمود۔ ان مجالس کے لیے ایک تمھیں نہیں ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں جہاں مجلس ذکر شریف ہوتے دیکھی ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمھارا مطلوب ہے؛ پھر وہاں سے آسمان تک چھاجاتے ہیں تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو اُدھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کہ نامستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔

هم القوم لا يشقى بهم جليسهم۔

ترجمہ: "ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔" یہ مجلس آج سے نہیں آدم علیہ الصلاۃ والسلام نے خود کی اور کرتے رہے اور اُن کی اولاد میں برابر ہوتی رہی۔ کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام ذکر حضور نہ کرتے ہوں اول روز سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ میرے حبیب ومحبوب کا ذکر کیا کرو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم جس کے لیے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روحِ الٰہی آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پتلے میں داخل ہوئی ہے، آنکھ کھلتی ہے، نگاہ ساقِ عرش پر ٹھہرتی ہے، لکھا دیکھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم)، عرض کی، "الٰہی! یہ کون ہے جسکا نامِ پاک تونے اپنے نامِ اقدس کے ساتھ لکھا ہے؟" ارشاد ہوا، "اے آدم وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے۔ وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔ لولا محمد ماخلقتك ولا ارضا ولا سماء۔ اُسی کے طفیل میں تجھے پیدا کیا اگر وہ نہ ہوتا نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین وآسمان بناتا۔ تو کنیت اپنی ابو محمد کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔" آنکھ کھلتے ہی نامِ پاک بتایا گیا پھر ہر وقت ملائکہ کی زبان سے ذکرِ اقدس سنایا گیا۔ وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا، ہمیشہ ذکر اور چرچا کرتے رہے۔ جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا شیث علیہ الصلاۃ والسلام سے ارشاد فرمایا، "اے فرزند میرے بعد تو خلیفہ ہوگا عمادِ تقویٰ وعروۂ وثقٰی کو نہ چھوڑنا۔" العروۃ الوثقٰی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عروۂ وثقٰی محمد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب اللہ کو یاد کرے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا۔ فانی رایت الملئکۃ تذکرہ فی کل ساعاتھا کہ "میں نے فرشتوں کو دیکھا ہر گھڑی اُن کی یاد میں مشغول ہیں۔" اسی طور پر چرچا اُن کا ہوتا رہا۔

پہلی انجمن روزِ میثاق جمائی گئی اُس میں حضور کا ذکرِ تشریف آوری ہوا۔

واذ اخذ الله ميثاق النبيين لما اٰتيتكم من كتب وحكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه قال اقررتم واخذتم على ذلكم اصرى قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معكم من الشهدين فمن تولى بعد ذلك فاولئك هم الفسقون۔

ترجمہ: "جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے کہ بیشک میں تمہیں کتاب وحکمت عطا فرماؤں پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول تصدیق فرمائیں اُن باتوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں تو تم ضرور اُن پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اُن کی مدد کرنا (قبل اس کے کہ انبیا کچھ عرض کرنے پائیں) فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو آپس میں ایک

دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں پھر جو کوئی اس اقرار کے بعد پھر جائے وہی لوگ بے حکم ہیں۔" مجلسِ میثاق میں رب العزۃ نے تشریف آوریِ حضور کا بیان فرمایا اور تمام انبیا علیہ الصلاۃ والسلام نے سنا اور انقیاد واطاعتِ حضور کا قول دیا اُن کی نبوت ہی مشروط تھی حضور کے مطیع وامتی بننے پر تو سب سے پہلے حضور کا ذکرِ تشریف آوری کرنے والا اللہ ہے کہ فرمایا ثم جاء کم رسول پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں اور ذکرِ پاک کی سب میں پہلی مجلسِ انبیا ہے علیہم الصلاۃ والسلام جس میں پڑھنے والا اللہ اور سننے والے انبیاء اللہ۔ غرض، اسی طرح ہر زمانے میں حضور کا ذکرِ ولادت وتشریف آوری ہوتا رہا، ہر قرن میں انبیا ومرسلین آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر ابراہیم وموسیٰ وداؤد و سلیمان وذکریا علیہم الصلاۃ والسلام تک تمام نبی ورسول اپنے اپنے زمانے میں مجلسِ حضور ترتیب دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سب ہیں پچھلا ذکر شریف سنانے والا کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لیے یعنی سیدنا عیسی علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لایا فرماتا ہوا مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ ترجمہ: "میں بشارت دیتا ہوں اُن رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔ یہ ہے مجلسِ میلاد جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا تمام ملک وملکوت میں محفلِ میلاد تھی عرش پر محفلِ میلاد فرش پر محفلِ میلاد ملائکہ میں مجلس میلاد ہو رہی تھی خوشیاں مناتے حاضر آئے ہیں سر جھکائے

کھڑے ہیں، جبرئیل ومیکائیل حاضر ہیں۔ علیہم الصلاۃ والسلام اُس دولھا کا انتظار ہو رہا ہے جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سمٰوت میں عرش وفرش پر دھوم ہے ذرا انصاف کرو تھوڑی سی مجازی قدرت والا اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہو اب وقت آیا ہے، کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا وہ عظیم مقتدر جو چھ ہزار برس پیش تر بلکہ لاکھوں برس سے ولادتِ محبوب کے پیش خیمے تیار فرمارہا ہے اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں یہ قادر علی کل شئ کیا کچھ خوشی کے سامان مہیانہ فرمائے گا۔ شیاطین کو اُس وقت جلن ہوئی تھی اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے ہیں ان کے ہاتھ تو ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے اُس نے بچالیا ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔ ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے دو کو بچا سکتا ہے کوئی کوئی ہوگا زیادہ سے زیادہ بیس ۲۰ کو بچالے گا یہاں کروروں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والے وہی ایک:

انا آخذ بحجزکم عن النار ھلم الی

ترجمہ: "میں تمھارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں ارے میری طرف آؤ۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں قسم اُس کی جس نے اُنہیں رحمۃ اللعالمین بنایا آج وہ ایک ایک مسلمان کا بند کمر پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ الحمد للہ کیا حامی پایا اربوں سے بھی اربوں مراتب زائد گرنے والوں کو اُن کا ایک اشارہ کفایت کر رہا ہے تو

ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریت کو جتنا غم ہو تھوڑا ہے۔ پہاڑوں میں ابلیس اور تمام مَرَدَہ سرکش قید کردیے گئے تھے اُسی کے پیرو اب بھی غم کرتے ہیں، خوشی کے نام سے مرتے ہیں ملائکہ سبع سمٰوات دھوم مچارہے تھے عرشِ عظیم ذوق وشوق میں ہلتا تھا ایک عَلَم مشرق اور دوسرا مغرب اور تیسرا بامِ کعبہ پر نصب کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کا دارالسلطنت کعبہ ہے اور اُن کی سلطنت مشرق سے مغرب تک تمام جہان انہیں کی سلطنت انہیں کی قلمرو میں داخل ہے اُس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آپہنچی کہ اول روز سے اُس کی محفلِ میلاد، اُس کے خیر مقدم کی مبارکباد ہو رہی ہے قادر علیٰ کل شی نے اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے۔ جبرئیل امین ایک پیالہ شربت کا سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے لے کر حاضر ہوئے اُس کے نوش فرمانے سے وہ وحشت زائل ہوگئی جو ایک آواز سننے سے پیدا ہوئی تھی۔ پھر ایک مرغ سپید کی شکل بن کر اپنا پر سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ مبارک سے مل کر عرض کرنے لگے۔ اظھر یاسید المرسلین اظھر یاخاتم النبیین اظھر یا اکرم الا ولین والاخرین ترجمہ: ”جلوہ فرمایئے، اے تمام رسولوں کے سردار! جلوہ فرمایئے اے تمام انبیا کے خاتم! جلوہ فرمایئے اے سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ کریم۔“ یا اور الفاظ ان کے ہم معنیٰ مطلب یہ کہ دونوں جہان کے دولھا برات سج چکی اب جلوہ افروزیِ سرکار کا وقت ہے۔

فظھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کالبدر المنیر

ترجمہ: ”پس حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے جیسے چودھویں رات کا چاند۔“

ان لفظوں پر قیام ہوا جس میں متوجہ بہ مدینہ طیبہ ہو یہ درود عرض کیا۔

الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

درود وسلام حضور پر، اے اللہ کے رسول!

الصلاۃ والسلام علیک یا نبی اللہ

درود وسلام حضور پر، اے اللہ کے نبی!

الصلاۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

درود وسلام حضور پر، اے اللہ کے پیارے!

الصلاۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللہ

درود وسلام حضور پر، اے تمام مخلوق الٰہی سے بہتر!

الصلاۃ والسلام علیک یا سراج افق اللہ

درود وسلام حضور پر، اے منتہائے آسمان الٰہی کے آفتاب!

الصلاۃ والسلام علیک یا قاسم رزق اللہ

درود وسلام حضور پر، اے رزق الٰہی کے تقسیم فرمانیوالے!

الصلاۃ والسلام علیک یا مبعوث بتیسیر اللہ و رفق اللہ

درود وسلام حضور پر، اے وہ کہ اللہ کی آسانی اور نرمی کیساتھ بھیجے گئے!

الصلاۃ والسلام علیک یا زنۃ عرش اللہ

درود وسلام حضور پر، اے عرشِ الٰہی کی رونق!

الصلاۃ والسلام علیک یا سید المرسلین

درود وسلام حضور پر، اے تمام رسولوں کے سردار!

الصلاۃ والسلام علیک یا خاتم النبیین

درود وسلام حضور پر، اے تمام انبیا کے خاتم!

الصلاۃ والسلام علیک یا شفیع المذنبین

درود وسلام حضور پر، اے گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے!

الصلاۃ والسلام علیک یا اکرم الاولین والاخرین

درود و سلام، اے تمام اگلے پچھلوں سے زیادہ کرم والے!

الصلاۃ والسلام علیک یانبی الانبیاء

درود و سلام حضور پر، اے سب نبیوں کے نبی!

الصلاۃ والسلام علیک یاعظیم الرجاء

درود و سلام حضور پر، اے وہ جن سے بہت بڑی امید ہے!

الصلاۃ والسلام علیک یاعمیم الجود والعطاء

درود و سلام حضور پر، اے وہ جن کی بخشش و عطا سب پر عام ہے!

الصلاۃ والسلام علیک یا ماحی الذنوب والخطاء

درود و سلام حضور پر، اے تمام گناہوں اور خطاؤں کے محو فرمانے والے!

الصلاۃ والسلام علیک یاحبیب رب الارض والسماء

درود و سلام حضور پر، اے مالک زمین وآسمان کے پیارے!

الصلاۃ والسلام علیک یا مصحح الحسنات

درود و سلام حضور پر، اے نیکیوں کے درست فرمانے والے!

الصلاۃ والسلام علیک یا مقیل العثرات

درود و سلام حضور پر، اے لغزشوں کے معاف فرمانیوالے!

الصلاۃ والسلام علیک یانبی الحرمین

درود و سلام حضور پر، اے دونوں حرم کے نبی!

الصلاۃ والسلام علیک یا امام القبلتین۔

درود و سلام حضور پر، اے دونوں قبلوں کے امام

الصلاۃ والسلام علیک یا سید الکونین

درود و سلام حضور پر، اے دونوں جہان کے سردار!

الصلاۃ والسلام علیک یا وسیلتنا فی الدارین

درود و سلام حضور پر، اے دونوں جہان میں ہمارے وسیلے!

الصلاۃ والسلام علیک یا صاحب قاب قوسین

درود و سلام حضور پر، اے قاب قوسین والے!

الصلاۃ والسلام علیک یامن زینہ اللہ من کل زین

درود و سلام حضور پر، اے وہ جن کو اللہ نے ہر زینت سے آراستہ فرمایا!

الصلاۃ والسلام علیک یا جد الحسن والحسین

درود و سلام حضور پر، اے حسن و حسین کے جدِ کریم

الصلاۃ والسلام علیک یامن نزھہ اللہ من کل شین

درود و سلام حضور پر، اے وہ جن کو اللہ نے ہر عیب سے پاک فرمایا!

الصلاۃ والسلام علیک یاسر اللہ المخزون

درود و سلام حضور پر، اے اللہ کے محفوظ راز!

الصلاۃ والسلام علیک یا در اللہ المکنون

درود و سلام حضور پر، اے اللہ کے پوشیدہ موتی!

الصلاۃ والسلام علیک یانور الافئدۃ والعیون

درود و سلام حضور پر، اے دلوں اور آنکھوں کی روشنی!

الصلاۃ والسلام علیک یاسرور القلب المحزون

درود و سلام حضور پر، اے دلِ غمگین کی خوشی!

الصلاۃ والسلام علیک یاعالم ماکان ومایکون

درود و سلام حضور پر، اے تمام گزشتہ وآئندہ کے جاننے والے!

الصلاۃ والسلام علیک وعلیٰ اٰلک وصحبک وابنک وحزبک واولیاء امتک وعلماء ملتک وسائر اھل کلمتک اجمعین دائما ابدا الی یوم الدین وسرمدا سرمدا الی ابد الآبدین امین والحمد للہ رب العلمین۔

درود و سلام حضور پر، اور حضور کے آل واصحاب اور بیٹے اور گروہ اور امت کے اولیا اور دین کے علما اور حضور کے سب نام لیواؤں پر ہمیشہ، ہمیشگی والوں کی ہمیشگی تک اور بے نہایت جاو دانیوں کی جاو دانی تک الٰہی ایسا ہی کر اور سب خوبیاں اللہ کو جو مالک ہے سارے جہان کا۔

تمّت بالخیر

فتاویٰ رضویّہ کا فقہی مقام

از : علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی علیہ الرحمۃ

الحمد للہ کہ برصغیر پاک وہند میں اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو مذہب حنفیہ کے پیرو اور مقلّد ہیں۔ صرف پاکستان ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیشتر ممالک اسلامیہ جیسے افغانستان، عراق، شام، اردن، لبنان، مصر، ترکی اور بنگلہ دیش میں فقہ حنفیہ کی اتّباع کرنے والے مسلمان آباد ہیں اور ان کی ایسی اکثریت ہے کہ دوسرے فقہی مذاہب کے متّبعین ایک ایسی اقلیّت میں ہیں کہ جو کوئی امتیازی حیثیت کی حامل نہیں۔ اب سے چند صدی پہلے کے مشہور خانوادہ ہائے سلاطین جیسے عباسیہ، خوارزم شاہیّہ، سلجوقیہ، غزنویہ ان سب خانوادہ ہائے شاہی کا فقہ مذہب حنفی تھا۔

زوالِ بغداد کے بعد جب ترک یا عثمان اقتدار کو سنبھلنے کا موقع مِلا تو سلطنتِ عثمانیہ کے سلاطین اور ان کی رعیّت بھی فقہ حنفیہ پر گامزن تھی۔ صفوی سلطنت کے قیام سے پہلے ایران کے سلاطین تیموریہ، غزنویہ، سلجوقیہ اور خوارزم شاہیہ نے بڑی شان سے حکومت کی۔ اور تمام سرزمین ایران میں فقہ حنفیہ کا سکّہ چل رہا تھا۔ آج حالت یہ ہے کہ تہران میں اہلِ سنّت وجماعت کی صرف ایک مسجد ہے جس کی امامت اور خطابت کے فرائض ایک حنبلی بزرگ انجام دیتے ہیں۔ سلاطینِ غزنویہ کو فقہ حنفیہ سے اس قدر تعلّق خاطر تھا کہ سلطان محمود غزنوی (انار اللہ برہانہ) نے خود فقہ حنفیہ پر ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "کتاب التفرید" ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مذہبِ حنفیہ قبولیت کی کس منزل پر تھا۔

ہندوستان میں تیموری (مغلیہ) سلاطین کی آمد سے پہلے اسلامی ہند میں خلجی، تغلق، سلاطینِ دہلی (خاندانِ سادات) اور خاندانِ لودھی کے دورہائے سلطنت میں بھی مسلمان عوام اور حکومتِ وقت کا مذہب بھی فقہ حنفی تھا۔ جب مغلیہ سلطنت کی بنیاد شہنشاہ بابر کے ہاتھوں پڑی اس وقت سے آج تک برّصغیر پاک وہند میں الحمد للہ مسلمانوں یعنی سوادِ اعظم کا فقہی مذہب یہی ہے۔ البتہ ہند کے بعض ساحلی علاقوں میں شافعی مسلک کے متبعین بھی موجود ہیں۔ عہدِ مغلیہ میں دورِ اکبری سیاسی اعتبار سے جتنا تاب ناک دور ہے اتنا ہی مذہبی اعتبار سے انحطاط پذیر دور کہا جاسکتا ہے لیکن علمائے احناف سے یہ دور بھی خالی نہیں تھا۔ اور مذہب حنفیہ اس دور میں بھی جاری وساری تھا۔ دارالسلطنت آگرہ اس کے بعد شاہجہانی دور میں دلّی علمائے احناف کا مرکز تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دورِ شاہجہانی سیاسی امن وسکون کے ساتھ ساتھ علوم فنون کی ترویج کا ایک زرّین دور ہے۔ شاہجہانی دور کے علمائے احناف میں مقتدائے اہلِ سنّت محدّث علامہ حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی گل سرسبز ہیں۔ احیاء حدیثِ نبوی ﷺ اور اس کے فروغ واشاعت میں آپ کی مساعی ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کے علاوہ ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی کو ہرچند کہ آپ کا شمار علمائے معقولات میں کیا جاتا ہے۔ علامۂ دوراں منشی سعد اللہ خان، مولانا عبدالسّلام فنِ تفسیر وفقہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آخر الذّکر مفتی لشکر شاہی کے جلیل القدر منصب پر فائز تھے۔ علاوہ ازیں ملا عوض وجیہ علامہ مولوی یعقوب لاہوری، یگانہ روزگار حضرات تھے۔

(مولانا یعقوب صاحب لاہوری وہی صاحب ایمان و انصاف بزرگ ہیں جنھوں نے اورنگ زیب کے اصرار کے باوجود شہزادہ دارالشکوہ کے محضرِ الحاد پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا)۔

شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب کا عہد معدلت آگیں پر نظر ڈالیے۔ تمام ہندستان سلطان باتدبیر کے حکمتِ عملی سے زیرِ نگیں آگیا تھا۔ اس دور میں فقہ حنفیہ کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ اسی دور میں مولانا ملّا جیون انیٹھوی کی قیادت و سرکردگی میں فقہ حنفیہ کا ایک شاہکار مجموعہ مدوّن ہوا، جو فتاویٰ ہندیہ یا فتاویٰ عالمگیری کے نام سے مشہور و معروف ہے؛ لیکن قارئینِ کرام کے ذہنوں سے اِس مغالطے کو دور کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ہند میں فتاویٰ عالمگیری کو اولیّت کا شرف حاصل ہے۔ جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف سلطان فیروز تغلق کو عطا فرمایا تھا کہ اس سلطانِ ذی شان کے عہد میں صوبۂ بہار کے سپہ سالار (تاتارخان) کی ہمّت افزائی سے اس دور کے ایک علامہ اور فقیہ حضرت مولانا علامہ ابنِ علامہ علاؤالدین نے فتاویٰ حنفیہ کا ایک ضخیم مجموعہ (جو چار جلدوں پر مشتمل ہے) مدون فرمایا اور تاتارخان کے نام سے اس کو معنون کیا۔ یہ وہی فتاویٰ تاتارخانیہ ہے جو مابعد کے فقہا کے لیے مستند و مفتی بہ رہاہے۔ آپ فقہ حنفیہ یا فتاویٰ حنفیہ کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں پائیں گے جو عہدِ فیروزی کے بعد مدوّن و مرتب ہوئی ہو اور اس میں فتاویٰ تاتارخانیہ کا حوالہ موجود نہ ہو۔ ایک بات یہاں اور عرض کرتا چلوں کہ فتاویٰ ہندیہ کی تدوین ایک مجلسِ فقہا (اکاڈیمی) کی زیرِ نگرانی ہوئی جس کے سربراہ ملا احمد جیون تھے۔ اور اس مجلس میں تقریباً چالیس علمائے کرام و مفتیانِ عظام تھے جو اس کی تدوین میں مشغول تھے۔ اور فتاویٰ تاتارخانیہ صرف ایک عالم کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے اپنے بعض تلامذہ یا رفقا سے بھی اس سلسلے میں اعانت حاصل کی ہو۔ لیکن ایسی صراحت کہیں موجود نہیں ہے۔ جب کہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں فقہائے وقت کا اشتراکِ عمل تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ فتاویٰ تاتارخانیہ کو عوام میں وہ شہرت نہ حاصل ہو سکی جو فتاویٰ ہندیہ کو حاصل ہوئی۔ حکومتِ وقت کی مالی اعانت سے کئی سال کی شبانہ روز کاوشوں سے فقہ حنفیہ کی تمام کتب ظاہر الروایت و نوادر اور دوسری مستند کتابوں سے مسائل کی تخریج وجزئیات کے بعد بحث وجرح کے بعد مسائل فقہیہ کی تبویب کے ساتھ مرتب کیا گیا۔ فتاویٰ ہندیہ کی جامعیت کے باعث اس کا شہرہ صرف ہند تک محدود نہیں رہا بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں اس کو قدر و مرتبت کی نظر سے دیکھا گیا۔ اور آج اس کو اسی طرح معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے۔ اور بلاد اسلامیہ میں فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی ایسا دار الافتا ہو جہاں تخریج مسائل میں اس سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ملک میں طوائف الملوکی نے جگہ لے لی اور فرزندانِ اورنگ زیب عالمگیر باپ کی وصیّت کے مطابق تقسیم مملکت پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ اور ایک دوسرے کا خون ہی بہانا پسند کیا۔ عہدِ عالمگیری کی تاریخ پھر دہرائی گئی اور شہزادوں نے بہت جلد اِس بارگراں سے سبکدوشی حاصل کرلی، جو عالمگیر نے ان کے ناتواں کاندھوں پر رکھ دیا تھا۔ بہت جلد حکومت عالمگیری کے حدود سمٹنا شروع ہوئے، جاٹوں، سکھوں اور راجپوتوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ان کو یہاں کیا دہراؤں۔ اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ فرمایئے

نوبت یہاں تک پہنچی کہ اٹھارھویں صدی کے وسط کے عہد کی دھائی میں سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی آخری شمع کس مپرسی کے عالم میں رنگون میں بجھ گئی۔

اس دورِ اختلال و فتن میں کسے اتنا ہوش تھا کہ علومِ اسلامیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں روغن ڈالتا اور اس کی لو اکساتا۔ وہ تو یہ کہیے کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی اور ان کے نامور فرزندوں نے علومِ اسلامیہ کی لاج رکھ لی۔ شاہ صاحب کی تصانیف اسلامی ہند میں اسلامی علوم کی چراغِ مردہ کی آخری لو تھی۔ جو یک بارگی تیزی سے بھڑکی اور پھر چراغ بجھ گیا۔ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے ترجمۂ قرآن، اصولِ تفسیر و اصولِ حدیث اور آپ کی مشہورِ زمانہ کتاب حجتہ اللہ البالغہ اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہیں۔ شاہ صاحب کے فرزندوں میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدلقادر نے بھی قرآنِ حکیم کے اردو ترجمے کیے۔ آپ کے نامور فرزندِ گرامی قدر شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تفسیرِ عزیزی لکھ کر ایک بڑا کام کیا۔ تفسیرِ عزیزی اس وقت کی علمی اور ادبی زبان فارسی میں ہے۔ اس وقت دلّی مسلمانوں کا ایک مرکزی مقام تھا۔ مسلمانِ ہند اپنی ضروریاتِ دینی اور متعلقہ مسائل شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کرتے اور دور دراز کے رہنے والے لوگ بذریعہ مراسلات استفسار کرتے۔ شاہ صاحب جواب دیتے اور ارسال کرتے فتاویٰ عزیزیہ انہی کے فتووں کا مجموعہ ہے۔ (جو فارسی زبان میں تھا اور اسکا اردو ترجمہ کیا گیا ہے) شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہ فتاویٰ ان کے اجتہاد پر مبنی نہیں ہیں۔ کیونکہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوئے مدّت گزر چکی تھی۔ اب تو صرف دوسرے مذاہبِ فقہی (شامعی مالکی، حنبلی) کی طرح فقہ حنفی کی کتب ظاہر الروایت اور نوادر ہی مفتیٰ بہ تھیں۔ انھیں سے تفحص و تلاش کے بعد فتویٰ دیا جاتا تھا۔

فقہ حنفیہ کی مشہور کتب ظاہر الروایت میں جو کتب بہت زیادہ مشہور ہیں اور آج تک قرنوں سے نقل در نقل اور اب طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہیں۔ ان کے ذکر سے پہلے میں یہاں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ظاہر الروایت اور مسائل النّور کی تشریح کروں کہ آئندہ جب یہ لفظ استعال ہوں تو قارئین کے فہم پر بار نہ گزریں۔

حضرتِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے جو اقوال فقہیہ (مسائل دینی اور معاملات دنیوی) ہم تک پہنچے ہیں وہ آپ کے تلامذۂ گرامی کے ذریعے سے پہنچے ہیں۔ خود امام صاحب قدس سرہٗ کی تصنیفِ لطیف فقہ میں ایک رسالہ ہے جو "الفقہ الاکبر" کے نام سے موسوم ہے یہ ایک کم ضخامت و حجم کا رسالہ ہے اور علامہ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۰۱ھ) نے اس رسالے کی شرح لکھی ہے اور اس کا متن اس شرح کے ساتھ مصر میں طبع ہوا۔ حضرت امامِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کے تلامذہ میں چار شاگرد ایسے ہیں جن پر فقہ حنفیہ نازاں ہے اور جن کی مساعی سے فقہ حنفیہ کا گراں بہا خزانہ آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ہیں حضرت امام ابو یوسف۔ (یعقوب ابنِ ابراہیم ۱۸۳ھ) امام زفر ابنِ ہذیل (م ۱۵۸ھ) امام محمد حسن بن فرقد شیبانی اور امام حسن بن زیاد (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) ان چاروں حضرات میں امام ابو یوسف اور امام محمد دنیائے فقہ میں "صاحبین" کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ انھی چاروں ائمہ کے ذریعے حنفی مذہب دنیا میں پھیلا اور حنفی مسلک میں تصنیف و تالیف کا خزانہ ان کی بدولت اور ان کی مساعی سے معمور ہوا۔ اگر یہ حضرات امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اقوال کو منضبط نہ کرتے تو فقہ حنفیہ اس بلندی پر نہ ہوتا۔

امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اقوال کس طرح منضبط ہوئے اسکا مختصر حال بھی مطالعہ فرمالیجیے:

حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدوینِ فقہ کا یہ اہم کام ۱۲۱ھ سے شروع کیا۔ آپ نے اپنے تلامذہ میں سے چالیس حضرات منتخب فرما کر ایک مجلس "تفقہہ فی الدین" قائم کی۔ اس مجلس میں امام یوسف، امام زفر، امام محمد خواجہ داؤطائی، شیخ فضیل بن عیاض (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) جیسے مشاہیرہ واکابر شامل تھے۔ ان حضرات کے علاوہ جو اور افراد تھے وہ بھی ایسے اربابِ فطانت، ذکاوت اور صاحبانِ فضل وکمال تھے جن کی مسائل دینی اور اجتہاد میں بہت گہری نظر تھی۔ ان چالیس حضرات میں تمام حضرات تفسیر وحدیث اور آثار، علومِ عربیہ اور لغتِ عربیہ میں یگانہ روز گار تھے۔ اس مجلس میں تدوینِ مسائل کا یہ طریقہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش کیا جاتا۔ اگر مجلس کے تمام افراد ایک رائے پر متفق ہوتے تو اس کو معرضِ تحریر میں اسی وقت لے آتے تھے۔ ورنہ بصورتِ اختلاف اس پر آزادانہ بحث و تمحیص ہوتی۔ اربابِ مجلس اپنی رائے پیش کرتے۔ امام صاحب ان تمام آرائے مختلفہ کو سن کر فیصلہ صادر فرماتے اور اس فیصلے کو تحریر کرلیا جاتا۔ اسی طرح ۱۵۰ھ تک یہ مجلسِ تدوینِ فقہ قائم رہی اور اس تیس سال کی مدت میں جرح، تحقیق اور اجتہاد کے بعد فقہ کا ایک عظیم الشان ذخیرہ مرتّب ہوا۔ امام موفق علیہ الرحمۃ تحریر کرتے ہیں کہ امامِ اعظم نے تراسی ہزار مسئلے املا کرائے، جن میں اڑتیس ہزار عبادات میں اور پینتالیس ہزار معاملات میں ہیں۔

حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر تلامذہ میں امام محمد اور امام ابویوسف نے مسائلِ فقہی کی ایسی توضیح وتشریح کی کہ امام صاحب کے اصل مجموعے کی بھی ضرورت باقی نہ رہی کہ ان توضیحات وتشریحات کی اصل امام صاحب کے اقوال اور فیصلے ہی تو تھے۔ اس طرح اصل ماٰخذ اسقدر قابلِ اعتنانہ رہا کہ جس قدر آپ کے تلامذہ کی تالیفات۔ امام محمد اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ توضیحات وتشریحات آج تمام دنیا میں موجود ہیں۔ اور یہی فقہ حنفیہ کا ماٰخذ ومدار ہیں۔ ان دونوں حضرات یعنی صاحبین کے علاوہ اور بہت سے فاضل و مشاہیر فقہا نے مذہبِ حنفیہ پر ایک گراں قدر سرمایہ اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ اور ان حضرات کی کتب بھی فقہ حنفیہ میں مفتیٰ بہ ہیں۔ البتہ یہ کہنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ مذہبِ حنفیہ پر تالیفات میں عظیم ترین حصّہ امام محمد کا ہے۔ امام محمد بن حسن شیبانی نے فقہ حنفیہ پر جو کتابیں تالیف کی ہیں وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جن کا نام بحیثیتِ مجموعی کتبِ ظاہر الروایۃ ہے اور دوسری قسم وہ ہیں جن کو کتبِ نوادر کہتے ہیں۔ فقہ میں کتب ظاہر الروایۃ یہ چھے ہیں:

"المبسوط، الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر اور زیادات۔"

ان چھے کتابوں کو علامہ شیخ ابوالفضل مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "الکافی" میں جمع کیا ہے۔ فقہ حنفیہ کے مسائل کی زیادہ تر تخریج کتب الروایۃ سے کی جاتی ہے۔ کتبِ نوادر میں کتاب امآلی محمد کیانیات (شعیب کیانی نے اس کی روایت کی ہے) "کتاب الرقیات، معاردنیات، جرجانیات، اور کتاب المخارج فی الحیل ہے۔ کتبِ نوادر میں حضرت امامِ اعظم کی کتاب "المجرد بھی شامل ہے، جس کی روایت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام حسن بن زیاد لولوی نے کی ہے۔ کتاب الآثار بھی محمد بن حسن لولوی کی ہے۔

صاحبین اور امام حسن بن زیاد کے بعد فقہ حنفیہ کے مدونین و مولّفین میں علامہ احمد بن مہر المعروف بہ خصّاف (م ۲۶۱ھ) بھی قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی تالیفات میں کتاب الحیل اور کتاب الوقف بہت مشہور ہیں۔ علامہ خصّاف کے بعد امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۲۳ھ) میں جو کتاب جامع الکبیر فی الشروطہ کے مؤلف ہیں اور فقہ حنفیہ کے اوّلین مولفین کے زمرے میں شامل ہیں۔ ائمہ مذکور اور دوسرے فقہائے حنفیہ کے بعد وہ طبقہ پیدا ہوا جو مجتہد نہیں بلکہ فقہ حنفیہ کے مقلّد اور مُویّد تھے۔ ان اصحاب میں شیخ ابو الحسن کرخی (م ۳۰۴ھ) اور امام ابو عبداللہ جرجانی (م ۳۹۵) قابلِ ذکر ہیں۔ امام عبداللہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب "خزانۃ الاکمل" کے مؤلف ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور مؤلف فقہ حنفیہ میں احمد بن محمد قُدوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کی مشہور تالیفات میں "المختصر القدوری" سب سے نمایاں ہے۔ جس کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں۔ اسی صدی میں شیخ الائمہ محمد بن احمد ابو بکر سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے "المبسوط" کے نام سے کتابِ فقہ مدوّن کی۔ امام علی بن محمد بزدوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۸۲ھ) اپنی تالیف کتاب الاصول کی وجہ سے مشہور ہیں۔ علامہ ابو بکر کاشانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۸۷ھ) مشہورِ زمانہ کتاب "بدائع الصنائع" کے مؤلف ہیں؛ کتاب کا پورا نام "بدائع الصنائع فی الترتیب الشرائع" ہے۔ یہ بدائع الصنائع کے مختصر نام سے مشہور ہے اور مفتٰی بہ ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے زندہ جاوید مصنّف علامّہ شیخ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو اپنی بے مثل کتاب "الہدایہ" کے باعث مشہورِ زمانہ ہیں۔

صاحبین کی تصنیفات کے بعد "ہدایہ" جیسی شہرت فقہ حنفی کی کسی کتاب کو شاید ہی میسّر آئی ہو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب "شرح ہدایت المبتدی" ہے لیکن ہدایہ کے سامنے اس کی شہرت ماند پڑگئی۔ ہدایہ تو چار جلدوں پر مشتمل ہے اور درسیات میں متداول ہے۔ اس کتاب ہدایہ کی قبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی متعدد شروح اور حواشی لکھے گئے۔ ہدایہ کی شروح میں سروجی کی "کفایہ" علامہ کرلانی کی وقایہ۔ تاج الشریعہ محمود محبوبی نے وقایہ کا خلاصہ "نقایہ" کے نام سے کیا۔ ان تمام شروح میں علامہ کمال الدین ابنِ ہمام کی "فتح القدیر" (آٹھ جلدوں میں) شرح ہدایہ مشہورِ زمانہ ہے جو معتبر و مستند ہے۔

ساتویں صدی ہجری سے پہلے ہی تقلید کا قطعی دور شروع ہو چکا تھا۔ اب صرف فقہ کے متون اور ان پر تعلیقات اور ان کی شرح لکھنے پر اکتفا کیا جانے لگا تھا۔ پھر ان تعلیقات اور شروح کی شروح مرتب ہوئیں۔ اور مسائل حنفیہ پر مشتمل فتاویٰ مرتب ہونے شروع ہوئے۔ ان فتاوں کی صراحت "فتاویٰ رضویہ" کے ضمن میں کروں گا۔ اب شرح اور تعلیقات کا ایسا دور شروع ہوا جس نے بہت جلد فقہی خزانے کو معمور کر دیا۔ اس دور کی مؤلّفات اور شروح میں ان کتابوں نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی اور متاخرین فقہا کے نزدیک یہ کتابیں معتبر اور مستند ہیں۔

المختصر مؤلفہ احمد بن محمد قدوری۔ متاخرین فقہا میں وہ چار کتابیں جو چار متون کے نام سے مشہور ہیں، یہ ہیں:

وقایہ مختصر الهدایہ۔ مختار، مجمع البحرین مؤلّفہ ابن السّاعاتی (م ۶۸۳ھ) کنزیا کنز الدقائق مولفہ حافظ علاء الدین نسفی (م ۷۲۰ھ)۔ مذکور بالا چار متون میں کنز الدقائق سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ہدایہ کے بعد

کنزالد قائق فقہ حنفیہ میں ایک ایسی کتاب ہے جس کے حواشی اور شروح اس طرح مشہور ہوئیں کہ اصل کتاب کی شہرت بھی دب گئی۔ کنز الد قائق کی شروح میں یہ شروح مشہورِ زمانہ ہیں:

۱۔ تبیین الحقائق: مؤلّفہ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ رمز الحقائق: مؤلّفہ عینی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ بحر الرائق: مؤلّفہ زین العابدین بن نجم المعروف بہ ابن نجم
۴۔ نہر الفائق: مؤلّفہ عمر بن نجم رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ محنۃ الفائق: مؤلّفہ ابنِ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ کشف الحقائق: مؤلّفہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ

متاخرین علمائے حنفیہ کی مندرجہ ذیل تالیفات نے بہت شہرت حاصل کی:

(۱) ''جامع الفصولین''مؤلّفہ ابن القاضی سماوہ (م۸۲۳ھ) (۲) درّ الاحکام (شرح غدر الاحکام) مؤلّفہ ملا خسرو (م۸۸۵ھ) اس کا ایک حاشیہ۔ ''غنیہ ذوالاحکام'' از علامہ شرنبلانی بہت مشہور و معروف ہے۔ ملتقی الابحر مؤلّفہ علامہ حلبی (م۹۵۶ھ) (۵) الدرالمنتقیٰ: یہ ملتقی الابحر کی دوسری شرح ہے جو علامہ علاؤالدین حصکفی (م ۱۰۸۸ھ) کی تالیف ہے۔ (۶) تنویر الابصار مؤلّفہ علامہ تمر تاشی۔ ایک ایسی جامع اور فقہ حنفیہ کی معتبر اور معتمد کتاب ہے جس کی شروح ہدایہ اور کنزالد قائق کے بعد سب سے زیادہ لکھی گئی اور وہ بھی بہت مبسوط اور ضخیم۔ تنویر الابصار کی مشہور ترین ضخیم شرح (۷) الدرالمختار ہے یہ علامہ حصکفی کی تالیف ہے (۸) ردالمحتار علی الدرالمختار یہ درمختار کی شرح ہے اور محمد ابن عابدین کی تالیف ہے۔ اس شرح کا تکملہ ان کے فرزند علاء الدین نے کیا۔ اور (۹) یہ تکملہ قرۃ عیون الاخیار کے نام سے مشہور ہے۔

درالمحتار فتاوٰی شامی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

برصغیر پاک وہند میں درمختار کا اردو ترجمہ نولکشوری نسخے کا عکس ہے اور عام طور پر دستیاب ہے۔ یہ ترجمہ غایۃ الاوطار کے نام سے مشہور ہے۔

فقہ حنفیہ کی ان مشہور کتب کے تذکرے کے بغیر میرا یہ مضمون تشنہ رہتا۔ علاوہ ازیں اس فہرست کو پیش کرنے کا ایک مقصدِ خاص اور بھی ہے وہ یہ کہ اس مضمون کا اصل موضوع اعلیٰ حضرت مقتدائے اہلسنت علامہ شاہ احمد رضا خان بریلوی کا فتاوٰی رضویہ ہے۔ میں اس مضمون کے قارئین کی توجہ فتاوٰی رضویہ کی جلدِ اوّل کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ حضرت رضا قدس سرہٗ نے اپنے فتاوٰی کی جلدِ اوّل کو جیسا کہ تصنیف یا تالیف کی نگارش میں مؤلفین اور مصنفین کا معمول ہے؛ حمد ونعت اور منقبت سے شروع کیا ہے جو نہایت ہی بلیغ و فصیح انداز میں سپردِ قلم کی گئی ہے۔ بادی النظر میں وہ قاری کو صرف حمد ونعت اور منقبت نظر آتی ہے، لیکن اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علامہ قدس سرہ العزیز نے صنعتِ براعتِ استہلال میں اپنے تبحرِ علمی سے ان تمام فقہائے حنفیہ کو بیان فرمایا ہے جن کا مختصر تعارف میں نے سطورِ سابقہ میں آپ سے کرایا ہے اور کمال یہ ہے کہ انشا میں آورد یا تصنع کا رنگ کہیں پیدا نہیں ہوا ہے؛ بلکہ بیان میں دل کشی اور آمد ہی آمد ہے۔ قارئینِ کرام کو حضرت رضا قدس سرہٗ کے اس لطیف اندازِ بیاں سے روشناس کرانے کے لیے میں نے کتبِ فقہ حنفیہ کے اکثر نام بالترتیب زمانہ تالیف وتصنیف پیش کر دیئے ہیں، تاکہ آپ مقدمے کا حقیقی لطف اٹھا سکیں۔ براعت الاستہلال کی صنعت میں حضرت علامہ فاضل بریلوی کے مقدمے کا عکس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمایئے۔

اس برصغیر کے دورِ انحطاط میں مدارسِ عربیہ جو کچھ خدمت اسلام کی کرتے رہے وہ ہمارے سامنے ہے لیکن اجتماعی اعتبار سے کوئی اہم کام سرانجام نہ پاسکا۔ علمائے

ہند نے حسبِ ضرورت فقہ حنفیہ پر کچھ کتابیں ضرور لکھیں لیکن ہمارے متوسلین، متاخرین علماے کرام کی تالیف و تصنیفات کی طرح وہ مشہورِ زمانہ نہ ہوئیں۔

تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں اردو زبان میں مسائلِ فقہی پر کچھ کتابیں لکھی گئیں۔ مقصدِ تالیف کے تحت ان کا انداز بالکل عمومی تھا۔ ان تالیفات کا مقصد یہ تھا کہ عام مسلمانوں کو ان کے دینی احکام سے آگاہ کر دیا جائے اور غلط راستے پر چلنے سے ان کو روکا جائے۔ اس سلسلے میں حضرت مولوی رکن الدین صاحب الوری قدس سرہٗ کی ان کوششوں کو کہاں تک سراہا جائے کہ انہوں نے رکن الدین جیسی آسان اور یسیر الفہم کتاب ہر وقت پیش آنے والے فقہی مسائل پر مرتب فرمادی۔ شرح وقایہ کے اردو ترجمے بھی ہوئے لیکن اس کو کیا کہیے کہ مدارسِ اسلامیہ میں جو درسِ نظامی معیّن ومقرر تھا اس سے کس کی مجال کہ سر مو انحراف کر سکے۔ درسِ نظامی میں معقولات پر بھر پور توجہ کی جاتی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے درجۂ سوم میں جاکر کہیں تفسیر وفقہ سے روشناسی حاصل ہوتی تھی۔ (وہ بھی تفسیر جلالین کی حد تک) فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ہدایۃ تک طلبہ کے ذہنوں کی رسائی تھی۔ ان مدارس میں فقہ کے نصاب میں صرف شرح وقایہ اور ہدایہ ہی متداول تھیں۔ (ممکن ہے آپ کو کچھ تبدیلیاں نظر آئی ہوں)

مدعاے نگارش یہی ہے کہ جنگِ آزادی کے بعد سے ہوش ربا حادثات نے دلوں کا سکون چھین لیا تھا اس لیے ان دینی مدارس میں جو کچھ تعلیم دی جارہی تھی وہ بھی بہت غنیمت تھی۔ ورنہ بقول حضرت اکبر الٰہ آبادی نوبت تو یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ:

رپٹ لکھوائی ہے یاروں نے جاجا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ایسے پر آشوب دور میں ہندِ کے حنفی مسلمانوں کے لیے روہیلکھنڈ کے صدر مقام بریلی میں ایک شمع فروزاں ان کا ملجاو ماویٰ تھی۔ اس ذاتِ گرامی کو اللہ تعالیٰ نے جن کرامتوں سے بلند فرمایا تھا اور علمِ دین کے جس بے پایاں خزانے کا مالک بنایا تھا ان چند صفحات میں اس کا کس طرح اظہار کروں۔ وہ ذاتِ گرامی تھی۔

امام اہلسنت مجددِ ماۃِ حاضرہ مؤیدِ ملتِ طاہرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری نوری قدس سرہٗ کی جنھوں نے بے دینیوں کی آندھیوں میں چراغِ ایماں کو اپنے تبحرِ علمی کے دامن کی اوٹ میں اس طرح فروزاں رکھا کہ مسلمانوں کو ضلالت وگمراہی سے بچایا اور ان کو سرگشتۂ بادیۂ خذلان وبطلان نہ ہونے دیا اور اپنی علمی توانائیوں سے کام لیتے ہوئے اس خذلان وضلالت کے سیلاب کے آگے ایک مضبوط بند باندھ دیا جو ناداں اور کم علم مسلمانوں کی متاعِ ایمان اور عظمتِ رسولِ اکرم ﷺ کے رُوح پرور جذبات کو اپنی تندرَو میں بہالے جانے کے لیے بڑھتا چلا آرہا تھا۔ معاشی بدحالی نے بھی مسلمانوں کی کمر توڑ کے رکھ دی تھی۔ سر سیّد اور ان کے رفقا ملّتِ اسلامیہ کا درد دل میں لے کر اٹھے اور انگریزی زبان ان کے علوم وفنون اور ان کی تہذیب کی تحصیل کو اس درد کا درماں قرار دیا۔ حضرت اکبر الٰہ آبادی چلّاتے رہ گئے کہ:

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

سر سیّد اور ان کے رفقا کی تحریک پر بعض دینی مدارس کے نظام میں بھی تبدیلیاں کی گئیں۔ اس سلسلے میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ اس دورِ انحطاط میں ایک طبقے نے کفر وشرک کی غلاظت کے انبار عشقِ رسول ﷺ کے متوالوں اور عظمتِ رسول کی شمع

کے پروانوں پر پھینکنا اپنا شعار بنالیا تھا۔ ایسے پُر آشوب دور میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانانِ ہند کی رہ نمائی کا عزم صمیم فرمایا۔ اور اس راہِ پُر خطر پر اپنے مضبوط قدم رکھ دیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی کو مشکور فرمایا۔ اس یگانہ روز گار فقیہِ بے عدیل و محدثِ بے نظیر (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی زندگی کے روز وشب اس میں صرف فرمادیے۔ آپ کے قلم کے زور اور بیان کی قوتِ استدلال نے اعدائے دین کے منہ پھیر دیے۔ آپ نے زبان و بیان کی تمام توانائیوں کو اس راہ میں صرف فرمادیا۔ فجزاہُ اللہُ اَحسَنَ الجزَاء۔ آپ کا ہر نفس اسی راہ میں صرف ہوتا تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے جو کچھ نکلتا وہ اسی جذبے کا ترجمان ہوتا۔

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا، عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

اس سلسلے میں آپ نے صدہا رسائل تحریر فرمائے۔ اگرچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تبحرِ علمی کی دنیا بہت وسیع تھی، تمام علوم معقول و منقول بشمول ریاضیات، طبیعات، مابعد الطبیعات، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی طبع وقاد کی گرفت میں تھے۔ اور یہ تمام رسائل آپ رحمۃ اللہ علیہ کا منتہائے علم اور غایت توجہات کبھی نہیں رہے۔ ان رسائل کی تصنیف سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ اور ان کی نگہداشت اور ضلالت و گمراہی پھیلانے والوں کے دامِ فریب سے عامتہ المسلمین کو ہوشیار رکھنا تھا۔ اس سلسلے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جو صدہا رسائل تحریر فرمائے اس مضمون میں اتنی گنجائش کہاں کہ میں ان کے صرف نام ہی ضبطِ تحریر میں لاؤں۔ ان رسائل میں کچھ تو معمولی ضخامت کے ہیں لیکن اپنے دلائل میں بے مثل و بے نظیر ہیں۔ اور ایسے مبرہن اور مدلّل کہ اعدائے دین وسنّت کی زبانیں ان کے مقابلے میں گنگ ہو گئیں۔ اور بعض رسائل ضخیم بھی ہیں۔ جیسے الدولتہ المکیۃ وغیرہ لیکن تفقہ فی الدین میں آپ کی فکر و قلم کا شاہکار آپ رحمۃ اللہ علیہ کا "فتاویٰ رضویہ" ہے، جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک جلد ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی ہر جلد میں متعدد رسائل بھی موجود ہیں۔ کیونکہ بعض سوالات کے تفصیلی اور مدلل جواب کے لیے دوچار صفحات ناکافی ہیں۔ اس لیے جواب میں ایک رسالہ مرتب کرنا پڑا۔ اگر ہر جلد کے ان رسائل کو یک جا کرلیا جائے تو وہ موضوعِ متعلقہ پر "فقہ حنفیہ" کی ایک مبسوط کتاب ہوگی۔ فتاویٰ رضویہ کے سلسلے میں مزید کچھ عرض کرنے سے قبل میں چاہتا ہوں کہ اپنے قارئین کو یہ بتادوں کہ مذاہبِ اربعہ میں فقہ حنفیہ کو یہ اعزاز وشرف حاصل رہا ہے کہ اس مذہب میں فتاویٰ کے جس قدر مجموعے مرتّب ہوئے ہیں وہ اور کسی مسلکِ فقہ میں مرتب نہیں ہوئے۔

تاریخ فقہ سے پتا چلتا ہے کہ فقہ حنفی میں فتاویٰ کی کتابوں میں اوّلیت کا شرف "فتاویٰ والوالجیہ" کے بعد "فتاویٰ قاضی خان" ہے۔ فتاویٰ والوالجیہ کا مجموعہ علامہ عبدالرشید والوالجی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۴۰ھ) کی تالیف ہے اور فتاویٰ قاضی خان علامہ حسن بن منصور (م ۵۹۲ھ) کی تالیف ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی ہے۔ یہ فتاویٰ فقہ حنفیہ میں بہت مشہور و معتبر ہے۔ اور فتاویٰ ہندیہ کے حاشیے پر طبع ہوا ہے (یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے)۔ اس کے بعد فتاویٰ ظہیریہ ہے۔ جو فقیہِ اعظم ظہیر الدین محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۹ھ) کی تالیف ہے۔ یہ تھے چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے فتاویٰ کے مجموعے۔

آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مجموعۂ فتاوٰی "فتاوٰی طرطوسیہ" ہے جو انفع المسائل الی التحریر المسائل کے نام سے معروف ہے۔ یہ علامہ ابراہیم بن علی طرطوسی (م۷۵۸ھ) کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ سرزمین برصغیر پاک وہند میں سلطان فیروز تغلق کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں صوبہ بہار کے ناظم تاتار خان کے نام پر معنون شیخ عالم ابنِ علاء الدین متوفی ۸۰۰ھ نے آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں یہ فتویٰ مرتب کیا اور ناظم بہار کے نام سے معنون کرتے ہوئے اس کو "فتاویٰ تاتار خانیہ سے موسوم کیا۔ یہ فتاویٰ بہت مشہور و معروف ہے اور مابعد کے فتاویٰ میں اس کے حوالہ بکثرت موجود ہیں (جسکے بارے میں سابقہ صفحات میں کہا بھی جاچکا ہے)۔

نویں صدی ہجری میں علامہ حفیظ الدین المعروف بہ ابنِ بزاز (م۸۲۱ھ) نے جو فتاوٰی کا مجموعہ مرتب کیا وہ ان کی آبائی نسبت سے "فتاوٰی بنرازیہ" کہلاتا ہے۔ دسویں صدی ہجری میں یا تو کوئی مجموعہ فتاوٰی مرتب ہی نہیں ہوا۔ اگر ہوا تو مشہور نہیں ہوا۔

گیارھویں صدی ہجری میں فقیہ المعروف مولانا خیر الدین فاروقی رملی (م ۱۰۸۱ھ) نے "فتاوٰی خیریہ" مرتّب کیا(ترکی کے محکمہ قضاۃ میں اس کو معتبر مانا جاتاہے) اور مفتٰی بہ ہے)۔ اسی صدی میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ سلطنت میں اس برصغیر میں فقہ حنفیہ پر ایک عظیم کام ہوا یعنی ملا نظام الدین اور مُلا احمد جیون کی سرکردگی میں علمائے حنفیہ کی ایک جماعت نے آٹھ سال کی محنت سے ایک مجموعۂ فتاوٰی مرتب کیا جو "فتاوٰی ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فتاوٰی فقہ حنفیہ میں بہت معتبر اور مفتٰی بہ ہے۔ صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بلادِ اسلامیہ میں بھی مشہور و معروف ہے۔ اور کئی بار مصر میں طبع ہوچکا ہے۔ اس کے حاشیے پر "فتاوٰی قاضی خان" ہے۔ فتاوٰی ہندیہ ۸/۳۶ X ۲۳ پر چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ بارھویں صدی ہجری میں مفتیِ دمشق قاضی حامد آفندی ابن علی عمادی (م ۱۱۷۵ھ) نے "فتاوٰی حامدیہ" مرتب کیا جو شام اور عراق کے حنفیوں میں معتبر و مستند ہے۔ فتاوٰی ہندیہ کے بعد برصغیر پاک وہند میں حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند عالم متجرِ۔ محدث مفسر و فقیہہ شاہ عبد العزیز صاحب نے فتاوٰی عزیزیہ مرتب کیا۔ جس کے متن کی زبان فارسی تھی (اردو میں اس متن کا ترجمہ ہوچکا ہے) شاہ صاحب کو فقہ و حدیث میں بڑی دسترس تھی۔ اس لیے آپ کا یہ فتاوٰی بڑا مستند و معتبر ہے۔ فتاوٰی کی تاریخ میں فتاوٰی عبدالحی(مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی) کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے ان کی اس خدمت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آج بھی یہ فتاوٰی دستیاب ہے۔ تیرھویں صدی ہجری میں ممالکِ اسلامیہ میں مفتیِ مصر شیخ محمد عباسی مہدی کے فتاوٰی کا مجموعہ "فتاوٰی مہدیہ" کے نام سے مصر میں طبع ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ برصغیر میں فتاوٰی رضویہ کی تدوین عمل میں آئی۔ فتاوٰی رضویہ تیرھوی صدی ہجری کے عشرہ آخرین اور چودھویں صدی کے ربعِ اوّل میں لکھے جانے والے فتاوں کا مجموعہ ہے۔ جو اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت، فقیہِ عصر محدث علامہ شاہ احمد رضا خاں قادری، نوری قدس سرہٗ کی فطانت و ذکاوت، تبحرِ علمی اور تفقہ فی الدین کا ایک شاہکار ہے اور اب تک کہ ۷۰ سال ہوچکے ہیں ایسا جامع اور مبسوط مدلّل ومبرہن کوئی دوسرا مجموعۂ فتاوٰی حنفیہ کا مرتب نہ ہو سکا جبکہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے مقدمے میں صراحت

فرمائی ہے۔ اس مجموعہ کا نام "العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ" ہے۔ جو صاحب فتاوٰی کی صراحت کے مطابق سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ فتقل الا حباب، حجم المجلدات وجزھا علی اثنی عشر۔ اس کو بارہ جلدوں میں منقسم کرلیا گیا۔ اور یہ عمل خود صاحب فتاوٰی کی اجازت سے سرانجام دیا گیا۔ اس تدوین کے بعد بھی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے وصال تک سیکڑوں فتاوٰی اور جمع ہوگئے تھے۔ اس طرح اس کی اور جلدیں مرتب و مدون کی گئیں۔ اس طرح آج فتاوٰی رضویہ ۱۲ر جلدوں پر مشتمل ہے۔ بعض مجلدات ہندوستان میں طبع ہوئی ہیں اور چند جلدیں پاکستان میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر ہمارے ہاتھوں میں ہیں بر صغیر میں فتاوٰی رضویہ فقہ حنفی پر مشتمل آخری گراں قدر مجموعۂ فتاوٰی ہے۔ چودھوں صدی کے آخر تک ایسا مہتم بالشان اور کوئی فتاوٰی مرتّب نہیں ہوا۔

فتاوٰی رضویہ کی ہر ایک جلد کا ایک موضوع ہے مثلاً جلد اوّل کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے جس کے تحت مختلف ابواب ہیں۔ اسی طرح دوسری جلد کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے اور وہ بھی مختلف ابواب کی حامل ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ ناظرینِ فتاوٰی خود اس سلسلے میں مطالعہ کرسکتے ہیں۔ مجھے ابھی فتاوٰی رضویہ کے بارے میں بہت کچھ عرض کرنا ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی تدوین کا نہایت ہی مختصر سا صوری تعارف کرانے کے بعد مجھے فتاوٰی رضویہ کی معنوی حیثیت (اس کی بلند پائیگی) مسائل کے استنباط و استخراج اور ان کے استدلال کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے کہ "خواجہ تاشانِ بارگاہِ رضا" کے سامنے اس پہلو کو شاید ابھی تک کما ینبغی پیش نہیں کیا گیا ہے اور یہی اس مضمون کی نگارش کا مدعائے خاص ہے۔

فتاوٰی رضویہ سے اگر سوالات کو خذف کردیا جائے تو اس کی ہر جلد اس فقہی موضوع پر ایک کتاب ہے اور ایک مستقل تصنیف بن جاتی ہے، جس میں آپ کو اس فقہی موضوع سے متعلق تمام جزئی مسائل بھی پوری صراحت اور دلالت کے ساتھ ملیں گے۔ اس سلسلے میں ایسی موشگافیاں کی گئی ہیں اور ان حدوں تک پہنچایا گیا ہے۔ ایسے نکات سے روشناس کرایا گیا ہے اور زیرِ بحث لایا گیا ہے کہ ان تک ان فقیہہ بالغ نظر کی نگاہ ہی پہنچ سکتی ہے۔ حضرت رضا قدس سرہٗ نے ان جزئی مسائل کو اپنی قوتِ استخراج اور طبعِ وقّاد سے ان دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کیا ہے جو ہمارے فقہائے متقدمین اپنی مختلف تصانیف میں بیان کرچکے ہیں۔ ان دلائل کا استقصا، ان دلائل پر اعتراضات اور ان کے رد میں دلائلِ سنّیہ وبراہینِ قاطعہ کی تخریج کوئی آسان بات نہیں۔ اربابِ علم وفضل جانتے ہیں کہ اس کے لیے صرف دقتِ نظر ہی درکار نہیں بلکہ وسعتِ معلومات، بصیرت، اور متونِ مختلف کا استحضار بھی ضروری ہے۔ بغیر اس کے ان جزئی مسائل پر بحث وتمحیص اور ان مسائل کی تنقیح وتفحص نہیں ہوسکتی۔ میں نے تاریخِ فقہِ حنفیہ میں جن معتبر ومستند کتابوں کی نشان دہی کی ہے اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے جن کو بطورِ صنعتِ براعتِ استہلال اپنے مقدمہ "العطایا النبویہ" میں بیان فرمایا ہے۔ ان تمام کتب پر حضرتِ والا کی نظر تھی اور آپ کو اپنے فقہی مسائل کی تائید یا استدلال میں ایسے مقامات کی تلاش، تجسس اور تفحص کے لیے ان کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ وہ آپ کے لیے بالکل مستحضر تھیں۔ آپ نہایت آسانی سے ان حوالوں کو ترقیم وتحریر

کرتے چلے گئے تھے۔ جو مسائل زیر بحث کی تائید و استدلال کے لیے ضروری ہوتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ تقلید کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر آپ کی گراں قدر رائے کے اجتہادی پہلو بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپ فقہائے سلف سے اختلافِ رائے بھی کرتے تھے لیکن آپ کا یہ اختلاف امّت کے حق میں رحمت ہوتا ہے۔ آپ کا اختلاف برائے اختلاف کبھی نہیں ہوتا بلکہ آپ دوسرے فقہائے کرام سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی جس رائے کو پیش فرماتے ہیں اس میں نہایت وزن ہوتا ہے اور آپ کی نگاہِ دُوررس اپنے قول اور اپنی رائے کی تائید میں متقدمین میں سے اس کا قیاس تلاش کرلیتی ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ اس کے لیے جس علمی کمال کی ضرورت ہے وہ ہر ایک کو نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وصفِ خاص حضرت رضا قدس سرہٗ کی فکرِ دور بین اور نگاہ دور رس کو عطا فرمایا تھا۔ آپ ایسے مقامات پر بھی اصولِ فقہ سے سرمو انحراف نہ فرماتے بلکہ اس کی پوری پوری پابندی فرماتے تھے۔

میں فتاویٰ رضویہ سے اگر چند ایسے مقامات بھی پیش کروں تو یہ مضمون تیس چالیس صفحات کی وسعتوں کا طالب ہوگا اور پھر یہ چند صفحے بالکل ناکافی ہوں گے۔ اس لیے مجبوراً اس تنقیح سے قلم روک رہا ہوں۔ بعض جزئیاتِ فقہی سے اختلاف اور اس جزئی مسئلے کی اصل فقیہانہ کو پیش کرتے ہوئے اپنے بعض مسائل کی تصریح میں ان کے استحباب واستحسان میں کلام کیا ہے لیکن ایسے مقامات پر بھی آپ کا یہ ظاہری اجتہاد، اجتہادِ ذاتی نہیں ہوتا بلکہ جب آپ متوسطین فقہا کے کلام سے اس کی تائید میں کوئی جزئیہ پیش فرمادیتے ہیں تو وہ آپ کا اجتہادِ ذاتی نہیں ہوتا بلکہ آپ کی فکر دقیقہ سنج و دقتِ نظر کا وہ ایک شاہکار بن جاتا ہے۔

حضرت رضا قدس سرہٗ جس مسئلے پر خواہ وہ کلیہ ہو یا پھر جزئیہ جب قلم اٹھاتے ہیں تو اس کے ہر پہلو پر بحث کرتے ہوئے اس کے ہر ممکنہ پہلو یا صورت کو پیش فرماتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے جواز یا عدم جواز استحسان یا استحباب کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ ایسے ہی مقامات پر فتاویٰ ہندیہ اور فتاویٰ رضویہ کا استدلالی فرق نظر آتا ہے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ فتاویٰ ہندیہ کے فتوے چند فقہا کی نظر میں بحث و نظر کے بعد کسی فیصلے پر منتج ہوتے تھے۔ اور یہاں صرف ایک فرد ایک طبعِ وقّاد اور ایک فکرِ ساطع مسئلہ زیرِ بحث پر تمام متفق اور مختلف آرا کو پیش کرتی ہے اور پھر اس سے نتیجہ اخذ کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیت العلما میں بیس سے زیادہ علما کی کوششوں سے کئی سال میں مرتب ہونے والا "فتاویٰ ہندیہ" کسی مسئلے کے ہر پہلو کی تنقیح و تفحص میں "فتاویٰ رضویہ" کی وسعتِ استدلال و تنقیح و تصریح اور دلائل وبراہین کی وسعتوں تک نہیں پہنچ سکا۔ اس مقام پر پہنچ کر دل تو یہ چاہتا ہے کہ ایک مشترکہ مسئلے کو پیش کرکے فتاویٰ ہندیہ اور فتاویٰ رضویہ کے طرزِ استدلال اور ہمہ جہتی تفحص اور تنقیح کو پیش کروں لیکن مجبور ہوں کہ چند صفحات کی قید سے مقید یہ مضمون اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کو تمام تر بصیرت عطا فرمائی تھی جس کی ایک فقیہہ کے لیے ضرورت ہے۔ یعنی تعمقِ فکر جودتِ طبع اور ذہن رسا کے ساتھ ساتھ علمِ قرآن، علمِ تفسیر، اصولِ حدیث وحدیث کا ماہر ہو۔ صرف یہی نہیں کہ منقولات پر اس کی بصیرت اس کے لیے کافی ہوگی۔ بلکہ علوم معقول اور نظری پر بھی اس کو کامل دسترس ہو۔ فلسفہ، علمِ کلام، منطق، فلکیات، طبعیات، مابعد الطبعیات اور خلافِ وجدل پر بھی اس کو کامل عبور ہو۔ اور دست گاہِ کامل رکھتا ہو۔ اسی لیے کہ ایک فقیہہ کے پاس

مختلف النوع مسئلے آتے ہیں اور گوناگوں قسم کے مسائل آتے ہیں۔ اگر وہ اِن تمام علوم سے بہرہ ور نہیں تو وہ جوابِ باصواب دینے سے قاصر رہے گا۔ پس فقہ کی دنیا بہت وسیع ہے اور اس کی اصناف میں جمیع علوم وفنون داخل ہیں۔

میں اس مختصر مضمون میں اعلیٰ حضرت کے تبحرِ علمی آپ کی بصیرت، آپ کے ذہن رسا کی رفعت، جودتِ فکر، قدرتِ استخراج اور قوتِ استدلال پر کیا کہوں۔ علومِ منقول اور معقول میں کون سا ایسا علم تھا جس پر آپ کو کامل دست گاہ نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ آپ کی خدمت میں مسائل متنوعہ ارسال کیے جاتے تھے۔ اور آپ ہر ایک مسئلے کا محققانہ جواب تحریر فرماتے۔ خواہ اس کا تعلق کسی علم منقول یا معقول سے ہو، وہ فلکیات سے متعلق ہو یا مابعد الطبیعات سے، آپ ہر متعلقہ مسئلے پر یا سوال پر ایسی محققانہ بحث فرماتے تھے کہ بس یہی معلوم ہوتا کہ آپ اس علم میں بھی صاحبِ کمال ہیں۔ فتاوٰی رضویہ کے مجلّدات ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کو مسائل کا یہ تنوع بخوبی نظر آئے گا۔ اسی تنوع کے ساتھ ساتھ ان مسائل کے جواب میں آپ حضرتِ والا مرتبت کے تبحر کی جھلکیاں بھی دیکھیں گے۔

فتاوٰی رضویہ کا اندازِ تحریر:

یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ ہر موضوع کے لیے ایک مخصوص اسلوبِ بیان ہوتا ہے۔ تاریخی واقعات شاعرانہ رنگ میں اور تنقید تاریخی انداز میں اور اسلامیات کو تنقید کے اسلوب اور انداز میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ موعظت کے لیے اندازِ بیان اور ہے اور حقائق کے اظہار کے لیے اور۔ اگر کوئی اس مسلمہ اصول کے خلاف عمل پیرا ہوگا تو اس کا اسلوب ناقابلِ قبول اور اثر آفرینی سے خالی ہوگا۔ تنقید، تاریخ، روایات و قصص کے اُردو زبان میں اسالیب معین و مخصوص ہیں۔ تاریخ ادب کی طرح تاریخ فقہ کو بھی اسی اسلوبِ بیان میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن فقہی مسائل اور اس کے جزئیات کو تاریخ کے جزئی واقعات کے اسلوب میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اعلیٰ حضرت مقتدائے اہلسنّت کا مشہور ترجمۂ قرآنِ پاک موسوم بہ "کنزالایمان" سلاستِ زبان اور اردو زبان کے روزمّرہ محاورات کا ایک گراں بہا سرمایہ ہے۔ ترجمے کی سلاست اور روانی مسلّمہ ہے لیکن فقیہانہ استدلال اور فقہی ابحاث اس سادہ اور سلیس اندازِ بیاں کے ظرفِ تنگ میں نہیں سماسکتی ہیں۔ اس لیے اس کے لیے تو فقیہانہ انداز ناگزیر ہے۔ مسائلِ فقہی کو فقہ ہی کی زبان میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ اب اگر حضرت قدس سرہٗ کے فقیہانہ اندازِ بیاں میں زبان کی چاشنی دیکھنا چاہتے ہیں کہ:

حسرتِ نو کا سانحہ سنتے ہی دل بگڑ گیا
ایسے مریض کو رضا مرگِ جوان سُنائی کیوں

تو یہ آپ کی بھول ہوگی۔ لہٰذا حضرت رضا قدس سرہٗ نے مسائلِ فقہی کے استدلال میں اسی فقیہانہ اسلوب کو اپنایا ہے۔ ہاں جہاں آپ کا بیان یا مسئلے کا جواب براہین سے مبرہن نہیں وہاں آپ کے بیان کی سادگی اور اندازِ تفہیم سلاستِ زبان سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ اور جہاں استدلال و براہین یا تائید کلام میں اصولِ فقہ کے دلائل کو پیش کیا ہے وہاں نہ سلاستِ بیان کی ضرورت ہے اور نہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے۔ جب کسی عالم کی طرف سے کوئی سوال پیش کیا جاتا تو حضرت رضا قدس سرہٗ اس کا جواب بھی عالمانہ رنگ میں مرحمت فرماتے اور اگر وہ غیر عالم یا معمولی لیاقت رکھنے والے شخص کی جانب سے ہوتا، جس کا اندازہ امر مسئولِ سائل کے زبان و بیان ہی سے ہو جاتا تو حضرت اس کا جواب سائل کے اندازِ بیان ہی کے صاف، سادہ، رنگ اور اسلوب میں مرحمت فرماتے۔ اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ سوال کی زبان کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اگر سوال اردو میں کیا گیا ہے تو جواب بھی اُردو میں دیا گیا

ہے۔ اور اگر سوال عربی زبان میں ہے تو اس کا جواب بھی عربی زبان میں دیا گیا ہے اور اگر سائل نے فارسی زبان میں مسئلہ دریافت کیا ہے تو حضرت رضا قدس سرہٗ نے اس کا جواب بھی فارسی زبان میں مرحمت فرمایا ہے کیونکہ حضرتِ والا مرتبت ان تمام زبانوں پر کامل عبور رکھتے تھے۔

ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ حضرتِ رضا قدس سرہٗ کے مسعود عہد میں بر صغیر پاک وہند کی عام زبان اردو تھی۔ آپ کی خدمتِ عالی میں اسی زبان میں مسائل شرعیہ پر مبنی سوالات بھیجے جاتے تھے اور آپ بھی سادہ اور عام فہم اُردو میں ان کے جوابات مرحمت فرماتے تھے اور پھر آپ کے زبان کی سلاست اور روانی میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔ البتہ جہاں فقہی استدلال اور تائید بیان کے لیے ضرور تاً آپ کسی فقہی متن کو پیش کرنا ہوتا تھا تو آپ فہم مسائل کے لیے اس متن کا ترجمہ ہی رقم فرما دیا کرتے تھے لیکن جہاں عالمانہ مسائل بیان فرماتے اور آپ سمجھتے کہ سائل یا میرا مخاطب صاحب علم و فضل ہے لیکن سوال اردو میں ہوتا تو آپ کے جواب میں بھی عالمانہ رنگ پیدا ہو جاتا تھا اور آپ متونِ فقہی کا ترجمہ اردو میں پیش کرنا ضروری خیال نہیں فرماتے تھے۔ اکثر علمائے اہلسنّت نے عربی زبان میں آپ سے کسی مسئلے میں استفسار کیا تو اس کا جواب آپ نہایت شستہ، شگفتہ اور اکثر مقامات پر مسجع و مرصّع عربی میں دیا۔ آپ نے شکوہ الفاظ سے زبان یا طرزِ ادا کو کبھی ژولیدہ نہیں بتایا۔ اردو کی طرح آپ کی عربی زبان کا طرزِ ادا بھی بہت دل کش اور سلجھا ہوا ہے اور ایک اہلِ زبان کی طرح نہایت رواں اور دل کش اسلوب میں تصنع سے عاری عربی میں جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ اردو زبان کی طرح آپ کی عربی عبارات یعنی طرزِ ادا میں ایک بے ساختگی ہے۔ اور استدلال میں وہی قوت بیان ہے جو اردو زبان میں آپ کے یہاں موجود ہے۔

یہ تھیں وہ چند خصوصیات جن کے باعث فتاویٰ رضویہ اہلِ سنّت کے لیے سرمایۂ عقیدت ہی نہیں بلکہ عبادات و معاملات میں آئے دِن پیش آنے والے ہزاروں مسائل کے جوابات پر مبنی بیش بہا خزانہ ہے۔ الحمد للہ کہ فتاویٰ رضویہ اہلِ سنّت کے لیے سرمایۂ نازش وافتخار ہے اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم اس پر نازاں ہے۔ کاش فتاویٰ رضویہ کی تمام جلدیں پاکستان میں شائع ہوں اور شایانِ شان طریقے پر۔ اس وقت جو فتاویٰ رضویہ دستیاب ہے اس میں خطِ نسخ کی کتابت اچھی نہیں ہے اسی طرح خطِ نستعلیق بھی اعلیٰ نہیں۔ صحت کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

اکثر وبیشتر مسائل کی تنقیح و توضیح میں متعدد فقہی کتب کے حوالے اور ان کے متون پیش کیے گئے ہیں، لیکن ان کا ترجمہ نہیں ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ فتاویٰ رضویہ کی آئندہ طباعت میں ایسے مقامات پر ان عبارات کے ترجموں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ خواہ متنِ فتویٰ میں یا حاشیے پر۔☆ تاکہ اس دور کے کم سواد مسلمان بھی اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔ وَمَا توفیقی الا باللّٰہ۔

☆ حضرت علامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان دونوں ہی خواہشات کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا۔ پہلے فتاویٰ رضایہ ۱۲ جلدوں میں شائع ہوا تھا اور پھر بعد میں رضا فاونڈیشن لاہور، نے فتاویٰ رضویہ کی عربی وفارسی عبارات کا اردو ترجمہ کرا کے متن کے ساتھ ہی شامل فرمایا اور تخریج بھی کی۔

اس طرح اس کی ۳۰ جلدیں ہو گئیں، جو بازار میں دستیاب ہیں۔ ان تیس جلدوں کے علاوہ ایک جلد "اشاریہ" اور ایک جلد "فہارس" کی بھی الگ سے شائع کی گئیں ہیں۔ (ندیم احمد ندیم قادری نورانی)

مقدمہ فتاویٰ رضویہ کے صفحۂ اوّل کا عکس

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للّٰہ ھو الفقہ الاکبر والجامع
الکبیر لزیادات فیضہ المبسوط
الدرر الغرر بہ الھدایۃ ومنہ
البدایۃ والیہ النھایۃ بحمدہ
الوقایۃ ونقایۃ الدرایۃ
وعین العنایۃ وحسن الکفایۃ
والصلاۃ والسلام علی الامام
الاعظم للرسل الکرام مالکی و
شافعی احمد الکرام یقول
الحسن بلا توقف محمد الحسن
ابو یوسف فانہ الاصل المحیط
لکل فضل بسیط ووجیز ووسیط
البحر الزخار والدر المختار
وخزائن الاسرار وتنویر الابصار
ورد المحتار علی منح الغفار
وفتح القدیر وزاد الفقیر
ملتقی الابحر ومجمع الانھر
کنز الدقائق وتبیین الحقائق
البحر الرائق منہ یستمد

لکل نھر فائق فی المنیۃ
وبہ الغنیۃ ومراقی الفلاح
وامداد الفتاح وایضاح الاصلاح
ونور الایضاح وکشف
المضمرات وحل المشکلات
والدر المنتقی وینابیع المبتغی
وتنویر البصائر وزواھر
الجواھر البدائع النوادر
المنزہ وحویا عن الاشباہ
والنظائر معین السائلین و
نصاب المساکین الحاوی
القدسی لکل کمال قدسی
وانسی الکافی الوافی الشافی
المصفی المصطفی المستصفی
المجتبی المنتقی الصافی
عمدۃ النوازل وانفع الوسائل
لاسعاف السائل بعیون المسائل
عمدۃ الاواخر وخلاصۃ
الاوائل وعلی آلہ وصحبہ

واھلہ وحزبہ مصابیح الدجی
ومفاتیح الھدی لاسیما
الشیخین الصاحبین الاخرین
من الشریعۃ والحقیقۃ بکلا
الطرفین والختنین الکریمین
کل منھما نور العین وجمع
البحرین وعلی مجتھدی
ملتہ وائمۃ امتہ
خصوصا الارکان الاربعۃ
والانوار اللامعۃ وابنہ
الاکرم الغوث الاعظم
ذخیرۃ الاولیاء وتحفۃ
الفقھاء وجامع الفصولین
فصول الحقائق والشرع المھذب
بکل زین وعلینا معھم
وبھم ولھم یا ارحم
الراحمین آمین آمین
والحمد للّٰہ رب العلمین

اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری

ڈاکٹر فرمان فتحپوری

شاعری:

خواہ اس کا موضوع کچھ بھی ہو، شاعر سے جذبے کی شدت اور پاکیزگی کا مطالبہ کرتی ہے۔ جذبے کی شدت اور پاکیزگی سے مراد یہ ہے کہ شاعر اپنے موضوع پر مخلص ہو۔ گہرا لگاؤ رکھتا ہو اور اپنی لگن میں سچّا ہو۔ اس سچائی اور لگن کو غالبؔ نے "دلِ گرفتہ" کا نام دیا ہے۔ اقبالؔ نے خونِ جگر کہا ہے اور بعض نے شاعر کے خلوص سے تعبیر کیا ہے جس نسبت سے شاعر کے جذبات سچّے، ملتہب اور گہرے ہوں گے۔ اسی نسبت سے اس کی شاعری سچّی، موثر اور گہری ہوگی۔ یو سمجھ لیجیے کہ جذباتی صداقت کے بغیر محض منطقی یا علمی صداقت کے زور پر اعلیٰ درجے کی شاعری جنم نہیں لے سکتی۔ کسی شخص کا علمی تجربہ اس کا تامل و تفکر اور مشاہدہ و مطالعہ ممکن ہے۔ لیکن تخلیقِ شعر میں معاون نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر نعتیہ شاعری علم و فکر کے ساتھ ساتھ شاعر کے جذباتِ محبت کا ایسا ارتعاش والتہاب چاہتی ہے جو مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی طرح اس بات پر والہانہ یقین رکھتا ہو کہ آنحضرت کی ذات گرامی کائنات میں بے مثال ہے۔ نہ ماضی میں اس کی مثال نظر آتی ہے نہ حال میں اور نہ مستقبل میں اس کی مثال کا امکان ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی شاعر پورے وثوق مکمل، یقین اور پوری شدتِ جذبات کے ساتھ یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو۔

لم یات نظیرک فی نظر، مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ رات کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اور جب تک اس عقیدے پر عامل نہ ہو اس وقت تک نہ تو کسی شاعر کو صفِ اوّل کا نعت گو شاعر کہا جا سکتا ہے، نہ اس کی نعتیہ شاعری دوسروں کو مسحور و متاثر کر سکتی ہے اور نہ اس میں وہ شگفتگی و دلاویزی پیدا ہو سکتی ہے جو مندرجہ بالا شعر میں نظر آتی ہے۔ اس شعر میں یا اس نعت کے دوسرے اشعار میں جو اثر آفرینی اور دلکشی ہے۔ وہ صرف اس سبب سے نہیں کہ اس میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے غیر معمولی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے اور ہر شعر میں عربی، فارسی، اردو اور پوربی یوپی کی فنکارانہ پیوندکاری سے ادب کے قارئین کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ زبان و بیان کے سلسلے میں اس نوع کی قادر الکلامی دوسرے شعرا کے یہاں بھی ملتی ہیں بلکہ اردو شاعری کی تاریخ میں الفاظ کی شعبدہ گری صنائع لفظی میں کمال دکھانے والے شاعر بہت سے ہیں لیکن صاحب نقد و نظر خوب واقف ہیں کہ محض کمالاتِ لفظی کی بنا پر انہیں بڑا شاعر تسلیم کیا گیا۔ میرؔ و سوداؔ، آتشؔ و ناسخؔ، ذوقؔ و غالبؔ، امیرؔ و داغؔ، میر حسنؔ اور دیا شنکر نسیمؔ کے نام ہماری تاریخ میں ساتھ ساتھ لیے جاتے ہیں۔ ان تقابلی مطالعات پر درجنوں مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ طلبہ سے لے کر اساتذہ

تک ان کی شاعرانہ خصوصیات کا موازنہ کرتے رہتے ہیں لیکن کوئی صاحب ذوق اور انصاف پسند ناقد سوداؔ کو میرؔ پر، ناسخؔ کو آتشؔ پر، ذوقؔ کو غالبؔ پر، امیرؔ کو داغؔ پر اور نسیمؔ کو میر حسنؔ پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حالانکہ زبانداری اور لفظی صناعی کے جتنے کرتب سوداؔ، ناسخؔ، ذوقؔ، امیرؔ اور نسیم کے یہاں دکھائے گئے ہیں میرؔ، غالبؔ، آتشؔ، داغؔ اور میر حسنؔ کے یہاں نظر نہیں آتے۔ یہ اس کا بین ثبوت ہے کہ شاعری کا حقیقی تعلق الفاظ وتراکیب سے نہیں، جذبات و محسوسات کی سچائی اور گہرائی سے ہے۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی مذکورہ بالا نعت میں بھی جو دل نشینی و دلاویزی اور لطافت و پاکیزگی ہے وہ اس بنا پر آنحضرت ﷺ سے بے پناہ محبت کا صاف وشفاف چشمہ اس کی تحت میں بہہ رہا ہے۔ مستی اور والہانہ پن کا ایک آبشار ہے جس کی طراوت، خنکی اور مٹھاس سے اہل دل سیراب ہورہے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور یہ نعت محض لفظی صناعی کا ایک نمونہ ہوتی تو ہرگز زبان زد خلائق نہ ہوتی۔ اس کی مقبولیت حلقہ خواص سے نکل کر عوام تک نہ پہنچتی اور اس کے اشعار سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے سوا کوئی اور لطف نہ لے سکتا؛ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کوئی شخص اس کے الفاظ کو پوری طرح سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ اس میں جذبات کی ایسی شدت، ایسی صداقت اور ایسی گہرائی ہے کہ پڑھنے اور سننے والوں کے دل خود بخود اس طرف کھنچتے ہیں اور جب کسی محفل یا جلسے میں یہ نعت خاص لحن میں پڑھی جاتی ہے، سامعین خواہ ان کی علمی ادبی سطح کچھ بھی ہو، وجد میں آجاتے ہیں، جھوم جھوم اٹھتے ہیں اور خود کو حضورِ اکرم کی بارگاہ میں حاضر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ دلکشی اثر پزیری کا جادو اس نعت سے حضرت رضا بریلوی کی جذباتی صداقت نے جگایا ہے۔ ورنہ سچ بات یہ ہے کہ انھیں مختلف زبانوں کی پیوندکاری اور الفاظ وتراکیب کا شعبدہ دکھانا مقصود نہ تھا۔ ایک فطری اور خلاق شاعر کی حیثیت سے وہ پوری طرح محسوس کرتے تھے اور ایک باشعور ناقد کی طرح خوب جانتے تھے کہ اعلیٰ درجے کی شاعری الفاظ سے نہیں بلکہ درون خانہ کے ہنگاموں یعنی شدید جذباتی تلاطم اور تموج سے وجود میں آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ شاعری ایک طرح کا عمل ہو کر بھی سراسر شعوری عمل نہیں ہے۔ شعر کہے نہیں جاتے، بنائے نہیں جاتے۔ شعر کے لیے الفاظ جوڑے نہیں جاتے، قافیے تلاش نہیں کیے جاتے، استعارات وکفایات اور تراکیب ومحاورات دانستہ تراشے نہیں جاتے بلکہ شعر اپنے پورے وجود کے ساتھ خود بخود ذہنِ شاعر پر نازل ہوتا ہے۔ دنیا کے ہر بڑے اور حقیقی شاعر نے شعر گوئی کے سلسلے میں یہی کہا ہے اور حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری بھی اس خاص معیار پر پوری اترتی ہے۔ ہر چند کہ جس نعتِ خاص کا ذکر اس جگہ کیا گیا ہے وہ احباب کی فرمائش پر کہی گئی ہے اور جیسا کہ اس نعت کے مقطع میں ہے۔

بس خامۂ خامِ نوائے رضاؔ نہ یہ طرز تری نہ یہ رنگ ترا
ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

مولانا احمد رضا خان صاحب نے خود واضح کردیا ہے۔ نہ تو ان کا یہ رنگِ سخن تھا اور نہ اس طرزِ شاعری سے ان کی طبیعت کو کوئی مناسبت تھی۔ صرف احباب کے حکم کی

تعمیل میں انھوں نے ایسا کیا اور اپنی غیر معمولی قادر الکلامی کا لوہا منوایا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری بنیادی طور پر فلسفیانہ موشگافیوں یا علم وفن کے بھول بھلیوں کی شاعری نہیں بلکہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات وصفات سے گہری وابستگی اور شدید جذباتی لگاؤ کی شاعری ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری معصومیت، شیفتگی، سادگی اور عاشقانہ سرمستی کی جو چاندنی چھٹکی ہوئی ہے اور یہ چاندنی قاری کے دروں خانہ میں جس قسم کا مدوجزر پیش کرتی ہے وہ بے سبب نہیں ہے۔ جذبات اپنے اظہار وابلاغ میں کسی خاص قسم کی لفاظی، تراکیب اور استعارات کا سہارا نہیں لیتے بلکہ فطری انداز میں روزمرہ کی زبان میں انتہائی سادگی سے خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں حقیقی جذبہ، خواہ اس کا تعلق محبت سے ہو یا نفرت سے، خوف سے ہو یا جستجو سے، غم سے متعلق ہو یا خوشی سے، مصنوعی سہاروں کا محتاج نہیں ہوتا۔ اپنے نمود و اظہار کی راہ خود پیدا کرلیتا ہے؛ لیکن بعض اوقات تو جذبے کے اظہار کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آدمی کے چہرے، بشرے، رفتار، حرکات وسکنات اور نشست وبرخاست سے جذبات خود بخود نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے گہرے اور سچّے جذبات کی عشقیہ شاعری خواہ اس کا تعلق مجاز سے ہو یا حقیقت سے اپنی تفہیم ترسیل کے لیے کسی لغت یا شرح کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ خود بخود عام وخاص ہر قسم کے قاری اور سامع کے ذہن وقلب میں اتر جاتی ہے۔ مجازی سطح پر اردو شاعری کی تاریخ میں میر تقی میرؔ کی عشقیہ شاعری اس کی ایک واضح مثال ہے۔ عشقِ رسول ﷺ اور نعت گوئی کے حوالے سے یہی صورت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی شاعری کی ہے۔

جس طرح ان کے جسم کا رُواں رواں آنحضرت کی محبت سے سرشار ہے۔ اسی طرح ان کی نعتیہ شاعری کا ایک ایک لفظ عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہے اور حضورِ اکرم ﷺ سے گہرے جذباتی لگاؤ کا مظہر ہے۔ اس لیے حضرت بریلوی کی نعتیہ شاعری جتنی زیادہ سادہ ہے اتنی ہی زیادہ پرکار ہے اور اپنے قاری اور سامع کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی اور رئیس المتغزلین مولانا حسرتؔ موہانی خود عاشقانِ رسول ﷺ میں تھے۔ انھوں نے اچھے شعر کے متعلق حکم لگایا ہے کہ ۔

شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ
دل میں سنتے ہی جو اتر جائیں

مولانا احمد رضا خان صاحب کی نعتیہ شاعری اس معیار پر پوری اترتی ہے کہ جو شخص ان کے اشعار سنتا ہے، سر دھنتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ اپنے ذوقِ سخن کا مذاق اڑواتا ہے۔ عاشقانہ جذبات نے اظہار میں سادگی وپاکیزگی کا جو رچاؤ شروع سے آخر تک حضرت رضا بریلوی کی مجموعۂ نعت حدائق بخشش میں نظر آتا ہے وہ اردو کے دوسرے نعت گو شعرا کے یہاں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ ان کے یہاں غزل کے پیرائے میں لمبی لمبی نعتیں ملتی ہیں اور بعض نعتوں میں بڑی مشکل زمینوں اور ردیفوں میں طبع آزمائی کی گئی ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی محبت کا تیز دھارا سنگلاخ زمینوں کو چیرتا ہوا اس طرح گزر گیا ہے کہ شادابی وزرخیزی کے جو آثار مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ان نعتوں میں پیدا ہوگئے ہیں وہ دوسروں کے ہاں نرم اور ہم

وار زمینوں میں بھی نظر نہیں آتے۔ میری مراد ایسی نعتوں سے ہے جن میں بعض کے مطلع اس انداز کے ہیں کہ:

سر تا بقدم ہے تن سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

عارضِ شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفےٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ کریوں

یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پر بلا اٹھائی کیوں

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ان زمینوں میں اچھے شعر کہنا وہ بھی نعت میں جس میں قدم اٹھانا بقول عرفی تلوار کی دھار پر چلنا ہے ہر شخص کی بس کی بات نہیں ہے۔ اس میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے جسے توفیقِ الٰہی میسّر ہو اور عشقِ رسول ﷺ کی سرشاری و سرمستی کے ساتھ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت بھی رکھتا ہو برصغیر پاک و ہند کے علمائے دین میں بڑے بڑے صاحبِ علم و دانش اور علومِ دینی و دنیوی کے فاضل گزرے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو ایک معتبر و متبحر عالم و فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ صفِ اوّل کا شاعر بھی ہو یا جس نے نعت گوئی میں کوئی ممتاز مقام پیدا کیا ہو۔ اس اعتبار سے مولانا احمد رضا خاں کی شخصیّت بالکل منفرد اور یکتا ہے۔ وہ برصغیر کے ایک ایسے جیّد عالم ہیں جن کا حلقۂ اثر دوسرے علما کے مقابلے میں سب سے بڑا ہے اور ایک ایسے نعت گو شاعر ہیں جن کی نعتیں نہ صرف یہ کہ سب سے زیادہ مقبول ہیں بلکہ ان کی شاعری اس پائے کی ہے کہ ان کا نام اردو کے ممتاز ترین شاعروں کے نام کے ساتھ لیا جانا چاہیے۔

جہاں تک خالص نعتیہ شاعری کا تعلق ہے اردو میں جو قبولِ عام مولانا احمد رضا خاں صاحب کی شاعری کو میسر آیا کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کے ہم عصروں میں محسن کاکوروی کا نام یقیناً ایسا ہے جن کا معیار نعت گوئی میں کم و بیش وہی ہے جو رضا بریلوی کی نعتوں کا ہے۔ لیکن محسن کاکوروی کے مجموعۂ نعت میں سے صرف ایک قصیدۂ لامیہ اور مثنوی ابرِ کرم ہی کو مقبولیت حاصل ہو سکی۔ ان نظموں سے بھی صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہی متعارف ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں زبان و بیان کے سلسلے میں علامات و استعارات کا جو اہتمام اور معیار پیشِ نظر رکھا گیا ہے اس سے خاص خاص لوگ ہی لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس رضا بریلوی کی نعتیں اپنی مخصوص سادگی و پرکاری کے سبب عام و خاص میں یکساں مقبول ہیں۔ ہمارے ہاں ان کی نعتیں مخصوص محفلوں سے لے کر سیرت النبی ﷺ کے عام جلسوں تک بڑے ذوق و شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا باذوق مسلمان ہو گا جسے رضا بریلوی کی مندرجہ ذیل نعتوں کے دو چار شعر نہ یاد ہوں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

لم یاتِ نظیرک فی نظر مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دو سرا جانا

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

نعتیہ غزلوں سے قطع نظر مولانا احمد رضا خان صاحب کا سلام جس کا مطلع ہے۔

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کو بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔اس سے انکار نہیں کہ اکبر وارثی میرٹھی کا سلام۔

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلوٰۃ اللہ علیک

بھی حد درجہ شہرت رکھتا ہے۔ مرد عورت ، بچے جوان سبھی اسے بلند آواز پڑھنا پسند کرتے ہیں لیکن اس کے بعد اگر کسی سلام کو قبولِ عام کا درجہ ملا ہے تو وہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا سلام ہے۔ حفیظ جالندھری کے شاہنامے کا ایک ٹکڑا جس میں ولادتِ نبوی ﷺ کا ذکر ہے اور ماہر القادری کی نظم "حدیثِ قدسی" جس میں آنحضرت پر درود و سلام بھیجا گیا ہے کو بھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بہت دنوں تک وہ ہر محفل اور ہر جلسے میں پڑھے گئے لیکن نہ جانے کیوں جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ ان کی مقبولیت کم ہوتی گئی۔ اب وہ کسی محفل میں شاذونادر ہی سننے میں آتے ہیں۔ اس کے برعکس مولانا احمد رضا خاں صاحب کا سلام ڈیڑھ سو اشعار پر مشتمل ہے اور حفیظ جالندھری اور ماہر القادری کے سلاموں سے قدیم تر اور طویل تر ہے۔ پھر بھی آج تک بڑے اہتمام اور کثرت سے پڑھا جاتا ہے، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ممتاز ترین شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول ترین نعت گو شاعر بھی ہیں۔

☆☆☆☆
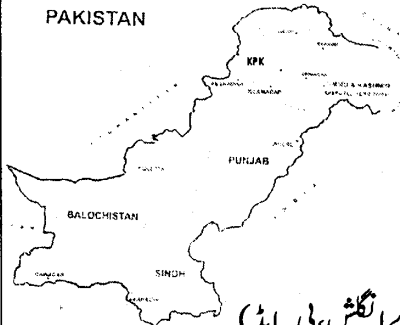
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا تحریکِ پاکستان میں حصہ

محمد سلیم اللہ جندران (ریسرچ اسکالر، ایم اے انگلش، بی۔ایڈ)

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرمادے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
(اقبالؔ)

جب ہنود ہندوستان میں ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جس کی بنیاد ایک وطن، ایک قوم، ایک زبان، ایک مذہب، ایک تہذیب اور ایک آئین پر ہو...... وطن وہ جس میں پاک وہند کی پوری سرزمین شامل ہو بلکہ ممکن ہو تو پڑوسی ریاستوں اور حکومتوں کو بھی شامل کرلیا جائے...... قوم وہ جس کا نام ہندوستانی ہو...... زبان وہ جس کا نام ہندی ہو، اور جو سنسکرت آمیز ناگری رسم الخط میں لکھی جائے...... مذہب وہ جو تمام مذاہبِ ہند کا مجموعہ ہو مگر غالب عنصر ہندو مت کا ہو...... تہذیب وہ جو ہندوستان کی ساری تہذیبوں سے مرکب ہو مگر غالب عنصر ہندو تہذیب کا ہو...... آئین وہ جس کو مسٹر گانڈھی کے فکر و خیال نے جنم دیا ہو یعنی "فلسفۂ گاندھی"۔

ہنود کے سامنے یہ مقاصد تھے اُن مقاصد کے حصول کے لیے رفتہ رفتہ فضا سازگار ہونے لگی اور داخلی اور خارجی حوادث نے منزل کو اور قریب کر دیا۔ پہلا سبب عظیم زوال و سقوطِ سلطنتِ مغلیہ بنا۔ گویا ۱۸۵۷ء سے ان مقاصد کے حصول کی کھل کر کوشش کی جانے لگی۔ پھر دوسرے نشیب و فراز آتے رہے تاآنکہ ۱۹۲۴ء میں زوال و سقوطِ خلافتِ عثمانیہ نے اِس منزل کو بالکل نزدیک کر دیا۔ اس سے قبل بھی کچھ حادثات رونما ہوئے مثلاً ۱۹۰۹ء میں پین اسلامزم کی تحریک چلی۔ ۱۹۱۱ء میں جب اٹلی اور ترکی کے درمیان جنگ ہوئی اور سلطنتِ برطانیہ غیر جانب دار رہی تو مسلمانوں کو بے حد صدمہ ہوا۔ اِس کے بعد تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں مسجدِ کانپور کا الم ناک واقعہ پیش آیا۔ ۱۹۱۸ء میں کٹارپور میں چودہ مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اسی زمانے میں امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا افسوس ناک سانحہ رونما ہوا۔ اسی زمانے میں رولٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ شائع کی جس میں مسلمانانِ ہند پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ ان حادثات و واقعات نے ہنود کے مقاصد کی تکمیل میں مثبت کردار ادا کیا۔

مارچ ۱۹۱۹ء کے تیسرے ہفتے میں مسٹر گاندھی نے انگریزوں کے خلاف تحریک شروع کی جس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان کانگریس میں شامل ہونے لگے۔ ۵؍جولائی ۱۹۱۹ء کو بمبئی میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ اواخر نومبر

۱۹۱۹ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس دہلی میں ہوا۔ ایک اجلاس کی صدارت مسٹر گاندھی نے بھی کی۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ ۲۵/ دسمبر کو نہرو (صدر کانگریس) اور حکیم اجمل خان (صدر مسلم لیگ) مشترکہ اجلاس امرتسر میں ہوا۔ دونوں نے مشترکہ جلوس نکالے مسٹر گانڈھی کی تحریک پر ملک گیر ستیاگرہ شروع ہوئی، ہندو مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا گیا اور اس اتحاد سے بے اندازہ سیاسی فوائد حاصل کیے۔ تحریکِ خلافت کے ایک سال بعد ہی ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ قائد کی حیثیت سے سامنے آئے، اب وہ آگے آگے تھے اور ہندو مسلمان پیچھے پیچھے حتیٰ کہ علمائے اسلام بھی مسٹر گاندھی کی قیادت پر فخر کرنے لگے تھے۔

ہندو مسلم اتحاد کے اس عمل کو تحریکِ خلافت کے بعد تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ ترکِ گاؤکشی میں بھی جاری رکھا گیا اور اپنے ذاتی مقاصد حاصل کیے۔ مسٹر گاندھی نے بحیثیت صدر Humanitarian Conference اہلِ ہند کو ترکِ حیوانات کی سخت تاکید کی۔ گاندھی کی ہم نوائی میں خواجہ حسن نظامی نے تو یہاں تک فرمایا:

"ہندو ہمارے پڑوسی ہیں اور گاؤکشی سے اُن کی دل آزاری ہوتی ہے، لہٰذا ہم گائے کی قربانی نہ کریں۔ اس کے عوض دوسرے جانوروں کی قربانی کو کافی سمجھیں۔"

گاندھی کی ہندو مسلم روش نے اس حد تک اثر دکھایا کہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بارہواں اجلاس حکیم اجمل خان کی صدارت میں امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس میں حکیم صاحب نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گاؤکشی بند کردیں۔

مسلمانوں کی اِس ڈھیل سے ہندو اتنے جری ہوگئے کہ انہوں نے گاؤکشی کو حکماً بند کرانا شروع کردیا۔ یکم مارچ ۱۹۲۰ء کو اخبار "ہمدم" دہلی میں "آہنسا پرچارنی سبھا کاشی" کی طرف سے یہ اشتہار شائع کیا گیا:

"ایک مسلمان مولوی صاحب لیکچرار چاہئیں واسطے آہنسا پرچارنی سبھا کاشی کے جو چھوٹی قوموں مثلاً کنجر، قصاب، کبڑیے وغیرہ میں جاکر پہلے مولود شریف کریں، بعدہٗ رحم وترکِ گوشت خوری پر لیکچر شہر بشہر دیں۔"

شاہِ افغانستان امان اللہ خان سیاحتِ یورپ کے دوران ہندوستان سے گزرے تو بمبئی تو میں جمعہ کی نماز کی امامت فرمائی اور خطبہ جمعہ میں فرمایا:

"نہایت درجہ شرم کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان گائے کے سوال پر ہندوؤں کے جذبات کی عزت نہیں کرتے۔" (روزنامہ "ہمدم" دہلی)

مسٹر گاندھی ہندو مسلم اتحاد کے روپ میں ہندو مسلم کی تمیز ختم کرکے مسلمانوں کو مذہبی شعائر سے منحرف کرکے اپنے مذہب کی راہ ہموار کررہے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کی جھلک یہاں تک دیکھی گئی کہ جامع مسجد جلگاؤں بلڈانہ میں ہندوؤں مسلمانوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس کی صدارت پانڈونگ دیناناتھ نے فرمائی۔ میرٹھ میں ہندو مسلم اتحاد کی ایک تقریب میں گاندھی کا ایک جلوس نکالا گیا جس میں ہندو مسلمان سب شریک تھے۔ علاوہ دیگر واقعات کے، ایک واقعہ مسلمانانِ میرٹھ کے ساتھ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے عین جلوس میں قشقہ، چندن وغیرہ مسلمانوں کے ماتھے پر لگایا گیا۔ چندن لگوانے والے اور نہ لگوانے والے مسلمانوں سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں کی طرف سے کوئی جبر نہیں تھا۔

مسٹر گاندھی کی سیاست کی ساحری نے مسلمانوں کو

اس حد تک مسحور کر دیا کہ اکثر علمائے کرام بھی اس رو میں بہہ نکلے۔ مسلمانوں میں بہت سی مشرکانہ ہندووانہ رسوم کا آغاز اور پرچار ہونا شروع ہو گیا۔ مسٹر گاندھی بظاہر تو ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے مگر وہ دراصل ہندو مذہب تھا۔ ۲/جون ۱۹۲۰ء میں الہٰ آباد میں خلافت کمیٹی کے جلسہ کی رپورٹ میں مولوی شوکت علی مرحوم فرماتے ہیں:

"الہٰ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ایثار و رفاقت کی سپرٹ کو ان شاء اللہ ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاگ یا سنگھ کو ایک مقدس علامت بناتا ہے۔"

(اخبار "ہمدم" لکھنؤ، ۸/جون ۱۹۲۰ء)

پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف (صدر، شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) بھی اپنے رسالے الرشاد میں ان امورِ شرکیہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ مسلمان ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے گئے، منبروں پر بٹھایا۔ مسلمان مندروں میں گئے، وہاں دعائیں کی، قشقہ لگوایا، گاندھی کے حکم سے ستیہ گرہ کے دن روزہ رکھا۔ وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا۔ کرشن جی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب مان لیا گیا۔ بدایوں کے ایک جلسے میں ایک ہندو مقرر نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان رام لیلا منائیں، ہندو محرم منائیں۔

مولانا محمد میاں قادری نے بھی انصار الاسلام کے جلسے منعقدہ بریلی ۲۲/شعبان ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں مسلمانوں کا قشقہ لگوانا، مشرکوں کی جے پکارنا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا، رامائن کی پوجا میں شریک ہونا، ارتھی کندھوں پر اُٹھا کر مرگھٹ لے جانا، مشرک میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور وہ بھی مسجد میں، مسجدوں میں مشرکوں کی تعزیت کے جلسے کرنا، اللہ کو رام کہنا، خطبۂ جمعہ میں مشرک کی تعریف کرنا، دسہرے میں شریک ہونا، سنکھ بجانا، قربانی گاؤ کو بھینٹ چڑھانا، قاتل مشرکوں کی رہائی کی کوشش کرنا وغیرہ جیسے امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (محمد میاں قادری، خطبۂ صدارت، مطبوعہ مطبع صبح صادق، سیتاپور، ۱۹۲۰ء)

یہ تھے وہ دگر گوں حالات جن میں مسلمان قوم کا ملّی تشخص تباہ ہو رہا تھا۔ وہ دو قومی نظریہ جس نے ملک پاکستان کی بنیاد بنتا تھا گاندھی کی آندھی اس کی خاک اُڑا ہی تھی، مسلم قومیت کا جنازہ اُٹھ رہا تھا، عوام تو عوام تعلیم یافتہ لوگ بھی گاندھی کے گرویدہ ہو کر اسلامی تشخص قربان کرنے پر تیار ہو چکے تھے۔ تحریکِ ترکِ موالات میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے گاندھی کی قیادت قبول کر لی تھی۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ جس قدر سیاسی بصیرت رکھتے تھے، وہ صرف اُن کا ہی خاصہ تھی۔ وہ مسلم تشخص کو تباہ ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے، اُن کی دور رس بصارت نے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہندو مسلم اتحاد سے علیحدگی پر مجبور کر دیا تھا۔ تحریکِ ترکِ موالات کے موقع پر احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان رہنماؤں کے ضمیر کو یوں جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

"جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری ہے؟ وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے، سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوا لیں۔ حالانکہ بحکم قرآنی خود ہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ (مسجد) میں لے جاؤ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے، وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ۔ **مگر تم کو اسلامی**

حِس ہی نہ رہا، محبتِ مشرکین نے اندھا کر دیا۔"
(رسائلِ رضویہ)

تحریکِ خلافت کے دوران گاندھی نے امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ لکھتے ہیں:

"ایک صاحب ایک دن بہت کوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا۔ فرمایا: گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے؟ دنیاوی معاملے میں، میں کیا حصہ لوں گا جب کہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی غرض نہیں رکھی۔ اِس طرح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے گاندھی کی ملاقات سے واضح اعلان فرمادیا۔

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ بریلی کے جس محلہ میں رہتے تھے، وہاں سب ہندو رہتے تھے، مسلمانوں میں سے آپ کا خاندان رہتا تھا مگر اس کے باوجود آپ بلاخوف و خطر بھرپور انداز میں اسلامی تشخص کا پرچار کیا کرتے تھے۔

اُس نازک دور میں ملتِ اسلامیہ کے بطلِ جلیل مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ہی سب سے آگے تھے جنہوں نے بڑے مؤثر دلائل سے ان تمام تحریکات کو "اسلام دشمن" اور "مسلمان دشمن" قرار دیا۔ علمائے حق کی رہنمائی فرمائی۔ سیاست دانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ آپ نے شدید علالت اور مرض الموت میں مبتلا ہونے کے باوجود "اسلام دشمن" تحریکوں میں شامل رہنماؤں کا سخت محاسبہ کیا۔ ایک فاضلانہ رسالہ تحریر فرمایا۔ تحریکِ ترکِ موالات کے دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"یہ کون سا دین ہے، نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب فرمن المطر وقف تحت المیزاب۔ چلتے پرنالے کے نیچے ٹھہرے مینہ سے بھاگ کر۔"

گائے کی قربانی، عظیم اسلامی شعار کو روکے جانے پر آپ نے دوٹوک فرمایا:

"فی الواقع گاؤکشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلامِ مجید ربّ الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے۔ اِس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔" (رسائلِ رضویہ)

تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ہجرت، تحریکِ ترکِ گاؤکشی وغیرہ میں ہندو مسلم اتحاد کے خلاف دیوارِ آہن بن کر جس شدّ ومد اور قوت و حوصلے کے ساتھ اسلامی تشخص اور دو قومی نظریے کو زندہ رکھنے کے لیے جہاد کیا، اس نازک ترین وقت میں یہ مقام اور حیثیت کسی اور ملّی رہنما کو یقیناً حاصل نہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی دوررس سیاسی و علمی بصیرت ہی تھی جس نے قائدِ اعظم اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہما کو مذکورہ بالا تحریکات کے درپردہ مذموم؟؟ مقاصد سے آگاہ کر دیا تھا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ نے ۱۹۲۰ء میں تحریکِ ترکِ موالات کے مسئلے پر کانگریس سے علیحدگی اختیار کی۔ اسی زمانے میں مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ترکِ موالات کے خلاف مشہورِ زمانہ اپنا تاریخی فتویٰ جاری کیا عین ممکن ہے کہ یہ فتویٰ محمد جناح کی نظر سے گزرا ہو، جس نے یقینی طور پر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کو متاثر کیا۔

میاں عبدالرشید، کالم نگار "نورِ بصیرت" نوائے وقت میں لکھتے ہیں:

"گاندھی کی آندھی نے جو خاک اُڑائی تھی۔ اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے اور بینائی زائل ہوگئی، مگر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہلّڑ بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی، حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ آپ نے ان دنوں بھی زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں۔ کانگریسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی تھی، وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان دنوں چونکہ تقریباً سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اس لیے حضرت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پروپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے۔"

(پاکستان کا پسِ منظر اور پیشِ منظر، ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان)

یہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی اشاعت اور ان کے اعلانیہ جہاد کا ہی اثر تھا کہ بعد میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور دیگر اکابرین نے اپنے سیاسی طرزِ عمل کا جائزہ لیا اور ان تحریکوں سے علاحدگی اختیار کی۔ رفتہ رفتہ یہ جذباتی تحریکیں بھی ختم ہوگئیں اور مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا احساس ابھرا جو بعد میں دو قومی نظریہ اور پاکستان کے قیام کا موجب بنا۔

پاکستان کے مشہور مؤرخ و محقق اور بین الاقوامی اسکالر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

"تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدمِ تعاون کے فتوے پر دستخط لینے کے لیے علی برادران احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں جواب دیا: "مولانا! آپ کی اور میری سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف۔ جب مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہوگئے ہیں تو انہوں نے کہا: مولانا! میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں، میں تو ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔"

آخر کار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کی سیاسی بصیرت کا جلد ہی سب نے اعتراف کرلیا، گاندھی کے سحر کا راز کھل گیا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تحریکِ خلافت کی مخالفت میں لکھا:

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تُو گدائی
خریدیں نہ وہ جس کو اپنے لہو سے
مسلمانوں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

(بانگِ درا)

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

سیّد سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بِک جانا گوارہ نہیں ہوسکتا، افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جاپڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھارہے ہیں جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کرسکتا۔"

(جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، شیخ غلام علی، لاہور)

یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے صوبائی خلافت کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

اسی طرح جب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے تحریکِ ترکِ موالات کے دوران حال کے آئینے میں مستقبل کا جلوہ دیکھا تو انہوں نے بھی بمبئی میں اپنی تقریر میں اعلان فرمایا:

"میں یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ گاندھی جی نے...... جن کی میں عزت کرتا ہوں...... جو پروگرام اختیار کیا ہے، وہ قوم کو غلط راستے پر لیے جارہا ہے۔ ان کا پروگرام قوم کو صراطِ مستقیم کے بجائے گڑھے کی طرف لے جارہا ہے۔" (رئیس احمد جعفری، حیاتِ محمد علی جناح، کتب خانہ تاج، آفس بمبئی)

یہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے قلمی اور عملی جہاد کا ہی اثر تھا کہ اقبال، جناح اور دیگر اکابرین کی طرح مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت بھی واپس پلٹ آئے۔ مولانا محمد علی جوہر ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جانے سے قبل احمد رضا خاں رحمۃ اللہ کے رمز شناس اور رازدار مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی سے ملنے آئے، انہوں نے انہیں پھر ہندو مسلم اتحاد کے نتائج و عواقب کی طرف متوجہ کیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا:

" اگر زندہ رہا تو اس کی تلافی کی کوشش کروں گا۔"

مولانا شوکت علی خود مراد آباد جا کر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رمز شناس اور رازدار مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی کے دولت کدے پر حاضر ہوئے اور ان کے سامنے ہندو مسلم اتحاد کی حمایت و تائید سے دست کش ہوئے۔ (تحریکِ آزادئ ہند اور سوادِ اعظم، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

دریں حالات اگر دیانت داری سے دیکھا جئے تو اسلامی تشخص اور دو قومی نظریے کو انتہائی کٹھن اور دشوار گزار حالات میں ہر قیمت پر بھرپور انداز میں زندہ رکھنے اور اُسے فروغ دے کر تحریکِ پاکستان کی راہ کو ہموار کرنے میں جس قدر مثالی کردار اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ادا کیا ہے، اُس لحاظ سے محمد علی جوہر، محمد علی جناح اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہما جیسے جلیل القدر اور مسلّمہ رہنماؤں کا مقام بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بعد ہی متعین ہو گا۔

مگر افسوس! صد افسوس!

وہ انمول، بے لوث، مخلص اور آہنی شخصیت جس کی سچائی اور سیاسی بصیرت کو تمام قومی و ملّی رہنماؤں نے ٹھوکریں کھا کر درست تسلیم کر لیا، اسے خود تعصب کی نذر کر دیا گیا۔ تاریخ آزادی کے اس منفرد ہیرو نے چودھویں صدی کے اوائل میں ہندو اور انگریز کے خلاف وہی قلمی و عملی جہاد سرانجام دیا جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جلال الدین اکبر کی اسلام کو ہندو مت میں مدغم کرنے کی تحریک کے خلاف انجام دیا تھا اور مسلمانوں کو دینِ برحق پر قائم رکھا تھا۔ انتہائی حیرت کا مقام ہے

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھیے
منزل ملی انہیں جو شریکِ سفر نہ تھے

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جب تک تحریکِ پاکستان جس کی بنیاد دو قومی نظریے یا نظریۂ اسلام پر ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مثالی اور شاندار کردار کو بیان نہ کیا جائے اُس وقت تک تحریکِ پاکستان کا ایک سنہری باب نامکمل رہے گا۔

چودھویں صدی کے اوائل میں نازک ترین حالات میں حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے ہی سب سے آگے بڑھ کر تحریکِ اسلامی کو قوت بخشی اور اسے اس قابل بنایا کہ یہ غیر اسلامی اور لادینی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے۔

شرف ملت کا اسلوبِ نگارش

پروفیسر دلاور خان

اسلوب کے لغوی معنی طرز اور پیرائے کے ہیں۔ اصطلاحاً اسلوب کسی ادیب کے انفرادی طرزِ بیان، یا طرزِ اظہار کو کہتے ہیں۔ اسلوب ادب سے بھی مربوط ہے۔ اور شخصیت کا مظہر بھی، ابلاغ کا وسیلہ بھی اور ادب کا تقاضا بھی ہے۔ بنیادی طور پر سلاست، بلاغت ومتانت اور سادگی اچھے اسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اسلوبِ نگارش پر تخلیق کار کی شخصیت، اس کا ماحول، مزاج، نظریہ اور حلقۂ احباب کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

شرفِ ملّت کا خلوص، تخیل وتفکر نیز اندازِ بیاں آپ کے اسلوب کے عناصرِ ترکیبی ہیں۔ کامل تحقیق نے آپ کے طرزِ تحریر کو اتنا پختہ اور جامع بنا دیا کہ علمی مقالات کی بلندی کے ساتھ ہی عبارت کی انشاء پردازی میں بھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملا۔ ان کی قادر الکلامی اور زباں پر گرفت کا عالم یہ ہے کہ جب وہ کسی تخیل کو تحریر کا جامہ پہنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو الفاظ مفہوم کے تناسب سے تحریر کا عروسی لباس زیب تن کیے ہوئے قلم وقرطاس کی زینت بننے کے لیے سیماب صورت دکھائی دیتے ہیں۔

بسا اوقات ایک طرزِ تحریر کسی شخصیت کی پہچان بن جاتا ہے لیکن وہ ادیب اسلوب کی بلندیوں کو چھوتا ہے جو متنوع اسلوبِ نگارش کا حامل ہو۔ اس تناظر میں علامہ موصوف کا طرزِ تحریر کہیں سادہ وشگفتہ، کہیں طنزیہ ومرصّع اور کہیں محققانہ تو کہیں مناظرانہ وخطیبانہ ہے۔ اور کہیں ادیبانہ وفقیہانہ ہے۔ آپ خود ایک ممتاز ادیب ہی نہیں بلکہ عظیم فقیہہ ومتکلم، محقق ومصنّف، شارح ومترجم بھی ہیں۔ علامہ موصوف بہتر جانتے ہیں کہ کس قسم کا اسلوب کب اور کہاں استعمال کرنا بہتر ہوگا۔ موضوع اور فن کے مطابق اسلوب استعمال کرتے ہیں کیونکہ تحقیقی اسلوب کا جو رنگ ہے وہ ادب کے لیے مناسب نہیں۔ جو اسلوب فتویٰ کے لیے مناسب ہے وہ مرصّع اسلوب کے لیے مناسب نہیں ہوگا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا اسلوب نگارش دھنک کے سارے رنگ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

شرف لوح وقلم حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی نوراللہ مرقدہ کے گلستانِ اسلوب نگارش کی چنیدہ چنیدہ کلیوں کی خوشبو ملاحظہ ہو۔

ا۔ مدلل بیان:

اپنے منفرد اسلوب نگاری میں شرف ملّت اپنی تحقیق میں جو از پسند بھی تھے اور مدلل بھی۔ وہ صرف اپنی بات کہہ کر آگے بڑھنے کی روش اختیار نہیں فرماتے بلکہ جو مقصد قاری تک پہنچانا چاہتے ہیں پہلے اس کا جواز تلاش کرتے ہیں اس طرح وہ اپنے موقف کو مدلل اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرتے ہیں کہ مخالف کو سرِ تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اس محققانہ انداز کو فیض یابِ کمالات رضا کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ کا اسلوب بیان خوبصورت الفاظ کا مرقع ہی نہیں بلکہ وہ دلائل وبراہین سے بھرپور دکھائی دیتا ہے جو تحقیقی بھی ہے اور مدلل بھی۔ موصوف نے جو کچھ لکھا وہ عمیق غور وفکر کے بعد قلم وقرطاس کی زینت بنا دلائل کی کثرت کے باوجود اپنے اسلوب کی شگفتگی کو مجروح ہونے نہیں دیتے۔ آپ اپنے اس اسلوب کے بارے میں خود رقم طراز ہیں:

''مسئلہ حاضر وناظر کا تعلق، کشف وشہود سے ہے، یہ مسئلہ علمی بھی ہے اور روحانی بھی، پیش نظر مقالہ میں راقم نے جہاں قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے ہیں، وہاں مستند علماء امت اور اربابِ معرفت کے ارشادات کا حوالہ بھی دیا ہے، مخالفین کے اقوال بھی بطور تائید نقل کیے ہیں، تاکہ اختلاف کی خلیج ختم ہو، اور اتفاق کی راہ ہموار ہو'' (۱)

۲۔ منطقی استدلال:

آپ کی کتب کے مطالعہ سے آپ کے اسلوب نگارش کی یہ خصوصیت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اس میں فکری قوت اور منطقی استدلال جابجا دکھائی دیتا ہے۔ جس سے پیچیدہ اور خم دار علمی، فقہی اور کلامی مسائل کو بڑے سلیس، فصیح وبلیغ انداز میں حل کرتے ہیں۔ جس میں اثر

اور حیرت انگیزی کے ساتھ ساتھ آپ کے اختصار میں نزاکت کی شیرینی اور فصاحت کی روانی پائی جاتی ہے۔ شرفِ ملت کی منطق جولانیاں ''عقائد ونظریات'' ص نمبر ۸۳ پر ملاحظہ ہوں۔

۳۔ سوز وگداز:

آپ کی تحریرات کے مطالعے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ایک درد سے لبریز دل لے کر اس جہانِ فانی میں متولد ہوئے۔ اسی لیے ان کی تحریروں میں دردمندی، سوز وگداز اس طرح جھلکتا ہے کہ ان کی حساس طبیعت آئینے کی طرح سامنے آجاتی ہے۔ پھر کمال یہ ہے کہ وہ ایسے پُر درد اور پُرسوز مقام پر بھی اپنے لہجے کی شگفتگی سے کنارہ کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ آپ کے نثری شہ پارے کی ایک سوز وگداز سے بھرپور عبارت کا مطالعہ کیجئے:

''ہم اپنی افسوس ناک حالت پر نظر ڈالیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرائض وواجبات اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر کہاں تک عمل پیرا ہیں۔ خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کے لیے حلال وحرام کی تمیز فراموش کر چکے ہیں۔ ہمارے دل خوفِ خدا اور خوفِ آخرت سے محروم ہو چکے ہیں، تو سر بارِ ندامت سے جھک جاتا ہے۔ اور یہ احساس شدت سے ابھرتا ہے کہ کس منہ سے ایماندار ہونے، خدا اور رسول کے محب اور عاشق ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں''۔(۲)

۴۔ شگفتگی:

آپ صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ اسی لیے آپ کے اسلوب میں شگفتگی، مناسب وموزوں الفاظ کا استعمال برموقع اور برمحل ملتا ہے۔ اسی شگفتگی کی وجہ سے قاری کی توجہ آپ کی تحریر پر مرکوز رہتی ہے وہ نہایت ہی ذوق وشوق سے آپ کی تحریر کا مکمل مطالعہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درج ذیل اقتباسات میں کس قدر شگفتگی، سلاست وروانی ہے اس لطافت اور جمالیاتی ذوق سے معنبر اور معطر عبارت کیسی دل پزیری ودل گیری پیدا کر رہی ہے:

''سلامِ رضا میں پیکرِ حُسن وجمال، محبوب رب ذوالجلال ﷺ کے اوصاف جمیلہ، شمائلِ حمیدہ، جود وعطا اور عظمت جلالت کو اس حسین پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہر مصرع ایمان کو تازگی بخشتا اور روح کو معطر کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے''۔(۳)

''یہ محبت رسول کی معراج تھی، کیونکہ علم وفضل کا ہمالہ، عبقری فقیہہ اور ہزاروں افراد کا مرشدِ طریقت ہونے کے باوجود حج کعبہ اور زیارت روضۂ رسول ﷺ کا شرف حاصل کرنے والے کے پاؤں چوم لینا، رسول اللہ ﷺ کی کامل محبت کے بغیر عادتاً ناممکن ہے۔''(۴)

۵۔ مقصدیت:

آپ نے بے مقصد عبارت آرائی سے اجتناب کیا۔ بعض نثر نگار عبارت آرائی پر اتنی توجہ دیتے ہیں کہ عبارت ان کی نظر میں مقصد اوّل قرار پاتی ہے اور مقصدیت ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ لیکن شرف ملّت کے اسلوب نگارش میں عبارت آرائی اور مقصدیت کا حسین امتزاج ہے۔ یہاں مقصدیت کو اولیت اور عبارت آرائی کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ اس طرح وہ اپنے پیغام اور مقصد کو مؤثر طریقے سے قاری کے قلب وذہن میں اتارتے چلے جاتے ہیں۔

آپ لکھتے ہیں:

''آج کے دور میں صحیح عقیدے پر کاربند ہونا اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے پھر جسے اعمال صالحہ کی توفیق بھی ملے اسے چاہیے کہ شکر کے سجدے بجالائے۔ عقیدے کی درستگی ہی نیک اعمال کی قبولیت کی بنیاد ہے، ورنہ نیک اعمال کتنے ہی کیوں نہ ہوں کسی کام کے نہیں۔ اور جسے درست عقیدے کی اتباع نصیب ہو جائے، اسے فرائض اور واجبات کے بعد نوافل اور مستحب اعمال کی طرف بڑے اہتمام سے توجہ کرنی چاہیے، اور بے مقصد کاموں سے احتراز کرنا چاہیے''(۵)

یہ اسلوب نگارش مقصدیت سے بھرپور ہے اور زورِ بیان سے مقصد مطلوب ہے۔

۶۔ زبان وبیاں:

آپ کے طرز تحریر میں سادگی، سلاست اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ وہ عبارت آرائی پر وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے موقف کو قاری تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں روانی، برجستگی، خیال کی گیرائی، زبان وبیاں کی گہرائی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو مربوط انداز میں منتقل

کرتے ہیں اور کہیں خلا نہیں چھوڑتے۔ جس کی وجہ سے قاری کو ان کی تفصیل بیانی سے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ اس طرح ایک معمولی پڑھے لکھے شخص کو بھی ان کی تحریروں سے فیض یاب ہونے کا پورا پورا موقع ملتا ہے۔ وہ نہ ادق اور غیر مانوس الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جو بات ان کے نزدیک حق اور صحیح ہو نہایت صاف گوئی اور غیر مبہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے مخالف کے لیے بھی غیر شائستہ اور غیر مہذب زبان و بیاں کے استعمال سے گریز فرماتے ہیں۔ آپ کے نثری شہ پاروں کی سوغات میں سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اللہ تعالیٰ کی آیتِ کریمہ کہہ رہی ہے کہ انسانیت کو شرک وکفر اور گمراہی سے نکالنے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے گئے، فکر انسانی صدیوں کے ارتقاء کے بعد جہاں پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مقدس ہستیوں نے لمحوں میں وہاں پہنچادیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، امورِ آخرت اور عالم کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور دانشوروں نے کیا کیا موشگافیاں نہ کیں، لیکن وہ اپنے وابستگان دامن کو دولت یقین فراہم نہ کرسکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے چند کلمات نے سامعین کو وہ تیقن عطا کیا۔ جس کی بناء پر وہ جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کر گئے۔''(۶)

۷۔ فکری ارتکاز:

ایک ادبی تحریر یکسوئی اور فکری ارتکاز کی متقاضی ہوتی ہے۔ آپ کے اسلوبِ نگارش میں عجلت پسندی، آسان پسندی اور خفیف الحرکاتی کو کوئی دخل نہیں۔ اس ضمن میں آپ کا طرز تحریر میں فکری ارتکاز اور جامعیت نمایاں نظر آتی ہے۔ درج ذیل تحریر فکری ارتکاز کی عمدہ مثال ہے۔

''یاد رہے کہ کارسازِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے مخلوق میں سے جو بھی کسی کی مدد کرتا ہے، وہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی مدد ہے، بندہ تو اس کی امداد کا مظہر ہے۔ ورنہ اگر کوئی چاہے کہ میں عطائے الٰہی کے بغیر از خود کسی کی امداد کردوں تو یہ ممکن نہیں ہے اور کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے کہ وہ از خود امداد کرسکتا ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کی امداد وعطا کی ضرورت نہیں ہے۔'' (۷)

۸: ایجاز واختصار:

آپ کی تحریروں میں ایجاز واختصار کی خوبی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ جس میں نہایت نپے تلے الفاظ ایک خاص انداز سے موتی کی لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں، جس سے تحریر مختصر ہونے کے باوجود جامع و بامعنیٰ اور پرکشش محسوس ہوتی ہے آپ کا اسلوبِ نگارش، حسن، دلکشی اور اثر آفرینی جیسے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا باعث بنتا ہے۔ ایجاز واختصار میں غیر ضروری الفاظ سے احتراز کی ایک مثال درج ذیل عبارت ہے:

''قرآنِ پاک میں حضور نبی اکرم ﷺ کے بشر اور نور ہونے کی تصریح ہے۔ کسی مسلمان کے لیے نہ تو آپ کی بشریت کے انکار کی گنجائش ہے، اور نہ ہی نور ہونے کی مجال نفی ہے۔ حیرت ان لوگوں پر ہے جو توحید ورسالت کی گواہی دینے کے باوجود سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں۔''(۸)

۹۔ سنجیدگی:

علامہ موصوف کے مخصوص اسلوبِ نگارش میں سنجیدگی اور متانت اتم درجے پر پائی جاتی ہے۔ آپ کو اس بات کا بھرپور ادراک تھا کہ سنجیدگی کی فضا تیزی وترارى کے ساتھ پیدا نہیں ہوسکتی۔ وہ اپنی تحریر میں سنجیدگی کی آمیزش کے لیے ٹھہراؤ جیسے اصول پر کاربند رہے۔ آپ نے اسی فکر سے اپنے ممتاز اسلوبِ نگارش کو باوقار جامہ پہنایا۔ آپ نے عملاً ثابت کردکھایا کہ تحریر کے وقار و شوکت کا لفاظی سے کوئی رشتہ نہیں، بلکہ سنجیدگی سے مربوط ہے۔ شرفِ ملّت کی سنجیدگی ومتانت آمیز یہ عبارت دیکھیے:

''یہ ان خیارِ امّت کا تذکرہ ہے جنہوں نے ملّتِ اسلامیہ کے تحفظ، سربلندی اور علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے شب و روز صرف کیے، جنہوں نے مسلمانوں کے ایمان وعمل کو قوت وتازگی بخشی، اپنے علم وعمل سے غیر مسلم اقوام کے اذہان پر دینِ اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری کے اَن مٹ نقوش ثبت کیے، ان کی کیمیا اثر نگاہ سے لاتعداد غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور بے شمار گم گشتگان بادیۂ ضلالت راہِ ہدایت پا گئے۔''(۹)

۱۰۔ شعری ذوق:

آپ کے اسلوبِ نگارش کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اپنی تحریر کو قرآنی آیات واحادیث اور فقہا کے اقوال سے مزیّن فرماتے ہیں۔خاص طور پر مفکرِ اسلام احمد رضا محدث حنفی علیہ الرحمہ کی تحقیقات سے جابجا استفادہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح قاری کے جمالیاتی ذوق کی تسکین اور مؤثر انداز سے حصولِ مقاصد کے لیے برموقع شعر رقم کرکے اپنی تحریر کی حسن ورعنائی میں اضافہ فرماتے ہیں۔ آپ کے شعری ذوق کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

نبینا الآمر الناهي فلا احد
ابر فی قول لا منه ولا نعم (۱۰)
(قصیدہ بردہ شریف)

فان من جودك الدنيا وضرتها
ومن علومك علم اللوح والقلم (۱۱)

چشم بداندیش کہ برکندہ بارد
عیب نماید ہنرش درنظر (۱۲)
(شیخ سعدی)

دید بوجہلے محمد راوگفت
زشت روئے دربنی ہاشمی شگفت (۱۳)
(رومی)

مشکلے دارم زدانش مندمجلس باز پُرس!!
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتری کنند (۱۴)
(حافظ شیرازی)

دن لہو میں کھونا تجھے ، شب صبح میں سونا تجھے
شرم نبی ،خوف خدا، یہ بھی نہیں ، وہ بھی نہیں (۱۵)
(امام احمد رضا)

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا (۱۶)
(اقبال)

اندھیرا گھر، اکیلی جان ، دم گھٹتا، دل اُکتاتا
خُدا کو یاد کر پیارے، وہ ساعت آنے والی ہے (۱۷)
(امام احمد رضا)

حسن تاثیر کو صورت سے نہ معنی سے غرض
شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے کوئی (۱۸)

الغرض شرف ملت کے نثری لالہ زار میں خطیبانہ اسلوب کے گل مہکتے ہیں تو کہیں ادیبانہ اسلوب کے بلبل چہکتے ہیں۔ کہیں صوفیانہ اسلوب کے چشمے پھوٹتے ہیں کہیں منطقی اسلوب کے شگوفے چٹختے ہیں تو کہیں رضوی اسلوب کے تارے دمکتے ہیں۔کہیں کلامی اسلوب کے پپیہے لہکتے ہیں تو کہیں تنقیدی اسلوب کے جگنو چمکتے ہیں۔

ماخذ ومراجع

۱۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، عقائد ونظریات، ص ۲۵۹، مطبوعہ لاہور۔
۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، خدا کو یاد کر پیارے، ص ۳۵، مطبوعہ لاہور۔
۳۔ افکار رضا ممبئی مشمولہ، سلام رضا کی مقبولیت، جلد نمبر ۱۳، شمارہ ۴، ص ۲۹۹، انڈیا۔
۴۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۸۴، مطبوعہ لاہور۔
۵۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، خدا کو یاد کر پیارے، ص ۵، مطبوعہ لاہور۔
۶۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، تاریخ فقہ وتصوف، ص ۳۵، مطبوعہ لاہور۔
۷۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، عقائد ونظریات، ص ۱۸۱، مطبوعہ لاہور۔
۸۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، عقائد ونظریات، ص ۲۶۳، مطبوعہ لاہور۔
۹۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، تذکرہ اکابر اہلسنت، ص ۹، مطبوعہ لاہور۔
۱۰۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، عقائد ونظریات، ۸۹، مطبوعہ لاہور۔
۱۱۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، عقائد ونظریات، ۹۲، مطبوعہ لاہور۔
۱۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۹۳، مطبوعہ لاہور۔
۱۳۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۹۳، مطبوعہ لاہور۔
۱۴۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۴۳، مطبوعہ لاہور۔
۱۵۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، خدا کو یاد کر پیارے، ص ۴۷، مطبوعہ لاہور۔
۱۶۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۹۲، مطبوعہ لاہور۔
۱۷۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، خدا کو یاد کر پیارے، ص ۳۳، مطبوعہ لاہور۔
۱۸۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری علامہ، البریلویہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۱۹۱، مطبوعہ لاہور۔

دور و نزدیک سے

پیشکش: محمد شاہ نواز قادری

پروفیسر حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری، لاہور:

(۲۱ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ)

محترم و مکرم حضرت سید وجاہت رسول قادری رضوی صاحب

سلام مسنون، مزاجِ گرامی!

۲۰ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ کو خلیفۂ اعلیٰ حضرت سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی محترمہ سیدہ شمیم فاطمہ (سابقہ پرنسپل کوئینز میری کالج، لاہور) کے گھر واقع پنجاب سوسائٹی، لاہور، میں رضوی تبرکات کی زیارت کا اہتمام کیا گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد قاری ممتاز حسین صاحب نے تلاوتِ کلامِ پاک سے اس روحانی نورانی تقریب کا آغاز کیا۔ محترمہ سیدہ شمیم فاطمہ کے پوتوں سید طلحہ اور سید عدنان نے نعت خوانی کی۔ پھر تبرکات کی اہمیت کے موضوع پر مفتی غلام حسن قادری، مولانا حافظ حفیظ الرحمان اور راقم الحروف نے خطاب کیا۔ پھر محترمہ سیدہ شمیم فاطمہ نے تبرکات کی زیارت کروائی اور پیرانہ سالی کے باوجود تفصیل کے ساتھ ایک ایک تبرک کی تاریخ بیان کی۔ تبرکات کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمۃ کے مزارِ اقدس کے درخت کے پتے۔

(۲) اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی کے جبہ مبارک کی کترن۔

(۳) حضرت شاہ سید علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ کا کلاہ مبارک۔

(۴) مفتیِ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ کے بارہ خطوط۔

(۵) مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ کی ہی چادر مبارک برنگ سفید۔

(۶) مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ کا کرتہ مبارک برنگ بادامی، جسے پہن کر آپ نے کئی طواف فرمائے۔

(۷) مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ کا ہی ایک اور کرتہ مبارک برنگ بادامی۔

(۸) مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ کی دو عدد واسکٹیں: ایک برنگ سرمئی، دوسری برنگ سبز جس میں سنہری پھول بوٹے ہیں۔

(۹) مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ کی اہلیہ پیرانی اماں کی تین چادریں اور ایک کرتہ مبارک۔

(۱۰) پیرانی اماں کے خطوط بنام محترمہ سیدہ شمیم فاطمہ ۲۰ عدد۔

(۱۱) سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمۃ کی دو ٹوپیاں۔

تقریب کا اختتام مفتی غلام حسن قادری کی دعا پر ہوا۔ پھر حاضرین کی لاہور کیسل ہال میں شیخ ہاشم اور شیخ محمد اعظم کی جانب سے پر تکلف ضیافت کی گئی۔ سرمایۂ اہلِ سنّت مولانا ڈاکٹر مفتی محمد اشرف آصف جلالی کچھ تاخیر سے تشریف آور ہوئے۔ ان کے لیے دوبارہ زیارتِ تبرکات کا

اہتمام کیا گیا۔ پھر ان ہی کی دعا پر یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

۲۳ شوال المکرم بروز اتوار قبرستان میانی صاحب، میں خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی اور سید قناعت علی رضوی علیہما الرحمۃ کا عرسِ مبارک نہایت اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔ صدرِ محفل مولانا قاضی محمد مظفر اقبال رضوی تھے۔ جب کہ مہمانانِ خصوصی میں پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدیر جہانِ رضا، نعیم طاہر رضوی صدر کنزالایمان سوسائٹی اور نبیرۂ ایوب جناب سید یوسف علی رضوی زیادہ نمایاں تھے۔ پر دے میں حضرت سید ایوب علی رضوی صاحب کی صاحبزادی محترمہ سیدہ شمیم فاطمہ بھی تشریف فرماں تھیں۔ جب کہ صاحبِ عرس کے حالات مولانا سید خرم ریاض رضوی، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اور راقم الحروف نے بیان کیے۔ قاضی محمد مظفر اقبال رضوی نے اکابرین کی یاد قائم رکھنے، ان کی خدمات سے نئی نسل کو روشناس کروانے کی اہمیت اپنے صدارتی خطبے میں بیان کی اور حضرت کے مزارِ مبارک کی تعمیر پر زور دیا۔ اس اپیل پر فوری عمل ہوا اور فاروقی صاحب نے اپنی جیبِ خاص سے ایک ہزار روپے عطا فرمائے۔ حاضرین نے بھی حسبِ توفیق اس نیک کام میں حصہ لیا۔ سلام و دعا پر اس عرسِ مبارک کا اختتام ہوا پھر رضوی لنگر وافر مقدار میں تقسیم کیا گیا۔ باقی یہاں کے حالات لائقِ صد شکر ہیں۔

عزیزم محمد فیضان رضا قادری رضوی کی صحت وسلامتی اور بلندیِ اقبال کے لیے دعا فرمائیں۔ احقر کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ مولانا ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ندیم احمد قادری نورانی، حاجی عبدالطیف صاحب اور دیگر اراکینِ ادارہ کو سلام۔ آپ کے صاحبزادگان کو بھی سلام اور پوتیوں کو پیار۔

(صفحہ نمبر 13 سے پیوستہ)

(حواشی)

۱۔ القرآن ۱۱۲/۶۔
۲۔ صحیح مسلم النہی عن الروایۃ عن الضعفاء، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۔
۳۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۴۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۵۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۶۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۷۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۸۔ القرآن ۴/۱۴۰۔
۹۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۱۰۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۱۱۔ القرآن ۴۴/۴۹۔
۱۲۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۱۳۔ کتاب الوسوسہ لابی بکر بن ابی داؤد۔

ف اللہ و رسول و قرآنِ عظیم کی جتنی توہین آریہ و پادری اپنے لکچروں میں کرتے ہیں اس سب کا وبال شرعاً اُن پر ہے جو سننے جاتے اور ایسے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔